نکھر گئے ہیں گلاب سارے

اقراء صغیر احمد

دلوں میں پھر سے نئی چاہتیں سجا بیٹھے
گلے ملے تو سبھی رنجشیں بھلا بیٹھے
وہ جس کو پیار کا مفہوم تک نہیں معلوم
اسی کے در پہ ہی کیوں جان و دل لٹا بیٹھے

''مس!'' بھاری آواز پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

اس کا خوف مزید بڑھ گیا۔ وحشت زدہ ہو کر پوری طاقت سے اس نے سیٹ کی سائیڈ بیک اور بھی مضبوطی سے پکڑ لی بلکہ پوری شدت سے جکڑ لی جو مسلسل لرزش میں تھی اور لمحہ بہ لمحہ لرزش ہلکے ہلکے جھٹکوں میں بدلنے لگی اور اسی رفتار سے اس کا دل دھڑکے جا رہا تھا۔ وہ آنکھیں مضبوطی سے بند کیے دوپٹے کو پیشانی تک کھینچے دائیں ہاتھ سے دل کو تھامے درود شریف کا بہت انہماک سے ورد کر رہی تھی۔

''مس۔''

''میڈم۔''

''محترمہ۔''

آوازیں پھر اس کے قریب ابھری تھیں جن میں اب جھنجھلاہٹ و سرد مہری کا عنصر مزید بڑھ گیا تھا اور ساتھ ہی اس کے بائیں ہاتھ کے نیچے دبا سائیڈ بیگ بری طرح جھٹکے کھانے لگا۔

میں نہیں سنوں گی، قطعی نہیں سنوں گی...... مجھے مخاطب کرنے والے! تم یقیناً یہی اطلاع دو گے کہ پلین کریش ہونے والا ہے۔ تو یہ تو میں بھی محسوس کر رہی ہوں مگر میں آنکھیں کھول کر کس طرح اپنی موت کا نظارہ کر سکتی ہوں؟ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ تم جو کوئی بھی ہو، پلیز مجھے مخاطب نہ کرو۔

''یارب رحم کر''

میرے مولا''

''میرے مالک''

''میرے پروردگار...... معاف کر دے، میری ہر خطا تمام جانے انجانے گناہ...... ایک بار...... صرف ایک بار خیریت سے گھر پہنچا دے۔ آئندہ خواب میں بھی پلین میں سفر نہیں کروں گی...... میں نے کتنا منع کیا تھا ڈیڈی کو، حسن کو کہ میں پلین میں نہیں جاؤں گی، خوف آتا ہے مجھے...... اگر پلین خدانخواستہ کریش ہو گیا تو...... اف وہی ہوا جس کا اندیشہ مجھے ہر وقت رہتا تھا۔

''ہائے اللہ! اب کیا ہوگا؟'' وحشت و خوف سے اس کے آنسو بہنے لگے۔ جسم اس طرح کانپنے لگا جیسے سخت سردی لگ رہی ہو۔

''حسن! میں جہاز میں نہیں جاؤں گی، مجھے ڈر لگتا ہے

اگر جہاز کریش ہوگیا تو..... تو کیا ہوگا؟'' سوٹ کیس میں کپڑے رکھتے ہوئے اس نے دل کی بات کہہ دی۔

''کچھ نہیں۔ تم پر فاتحہ پڑھ لیں گے' سوئم پر زردہ پلاؤ کھائیں گے۔''

''تم..... تم' بہت کمینے اور ذلیل انسان ہو' ایک تو ساتھ بھی نہیں جارہے۔ پھر تسلی دینے کے بجائے ڈرا رہے ہو۔ ایڈیٹ۔'' اس نے کشن کھینچ کر اس کو مارا۔

''میں ڈرا نہیں رہا بلکہ سمجھا رہا ہوں۔ ابھی فلائٹ میں ٹائم ہے۔ تم ایسا کرو جو چند گھنٹے تمہارے پاس ہیں' ان میں خوب سچے دل سے عبادت کرو' پیکنگ میں کردیتا ہوں۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگو' اللہ سے' مغفرت طلب کرو۔ توبہ کرو۔ اگر جہاز کو کوئی حادثہ ہوگیا تو موقع کہاں ملتا ہے۔ آج کل تو موسم بھی خاصا خراب رہتا ہے۔'' حسن مکمل طور پر سنجیدگی سے مشورہ دے رہا تھا۔

''خدا کے لیے۔ ایسی منحوس باتیں نہ کرو۔ مجھے پہلے ہی ڈر لگ رہا ہے۔ ویسے اگر جہاز گرنے والا ہوتا ہے تو کس طرح معلوم ہوتا ہے؟''

''پہلے کیا ہوتا ہے؟ ..... ہاں..... آں۔ پہلے جہاز لہراتا ہے۔ پھر سیٹ جھٹکے کھانے لگتی ہے اور اس کے بعد کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوتا ہے اور جہاز کے ساتھ ہی انسان بھی کئی ٹکڑوں میں ادھر ادھر بکھر جاتا ہے۔'' حسن کی آوازوں کی بازگشت اسے ہر سمت سے آتی محسوس ہورہی تھی۔

''مس! ارے کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟'' اس بار آواز اس کے بالکل کان کے قریب گونجی تھی۔ آواز میں اتنی سختی اور کھردرا پن تھا کہ یکلخت اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ جو کوئی بھی تھا' اس کے چہرے پر غصے و ناگواری کی سرخی تھی۔ وہ درشت نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کی بے ساختہ نگاہیں اس اجنبی پر پڑی تھیں۔

''کیا پلین گرنے والا ہے؟ میرا مطلب ہے جہاز تباہ ہونے والا ہے؟'' اس نے کانپتے' خوف زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

''جی' جہاز تباہ؟ جی نہیں۔ جہاز تباہ ہونے والا نہیں ہے۔ مگر آپ نے میری شرٹ کی ساری آستین تباہ کرڈالی ہے۔ یعنی پریس۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس سے اپنا بازو چھڑوایا تھا۔

''اوہ' آپ کا بازو تھا یہ؟ اوہ مائی گاڈ! میں اسے سائیڈ بیک سمجھے پکڑے بیٹھی تھی۔'' اس کی آسمانی کلر کی شرٹ کف سے کہنی تک بری طرح مسلی ہوئی تھی۔

''جی ہاں' میں بار بار آپ سے یہی گزارش کرنا چاہ رہا تھا کہ آپ میرا بازو چھوڑ دیں جو محسوس ہورہا تھا کہ آپ جسم سے الگ کرکے چھوڑیں گی۔'' مقابل کا غصہ عروج پر تھا۔ وہ شرمندگی کے مارے پاتال میں اتر رہی تھی۔

''سوری..... رئیلی سوری' میں نے اناؤنسمنٹ ہوتے ہی آنکھیں بند کرلی تھیں پھر یکدم مجھے محسوس ہوا جیسے جہاز لہرا رہا ہو۔ میں نے پھر خوفزدہ ہوکر آپ کا بازو پکڑ لیا' سائیڈ بیک سمجھ کر۔ دراصل مجھے بلندی سے ہمیشہ خوف آتا ہے۔'' خجالت' شرمندگی اور اپنی بے وقوفی پر اس کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

''نہ معلوم کب میرا یہ احمقانہ پن مجھ سے جدا ہوگا؟'' شرمندی' حماقت کے احساس سے سر جھک کر سینے سے آلگا تھا۔ آخر بے وقوفی اور خوف کی کوئی حد تھی؟ خود سے ہی سب کچھ اخذ کرکے اپنا تماشا بنوایا۔ اس نے آہستگی سے ایک نظر برابر میں براجمان شخص کو دیکھا۔ ڈارک بلیو جینز' لائٹ بلیو شرٹ میں اس کا دراز سراپا نمایاں تھا۔ سرخ و سپید چہرہ' روشن پیشانی' اعتماد و غرور چھلکاتی ڈارک براؤن آنکھیں' اونچی ناک' سیاہ گھنی مونچھوں تلے گلابی ہونٹ' ڈارک براؤن بالوں کے خوب صورت اسٹائل نے اس کی وجاہت کو بھرپور نکھارا تھا۔

بے شک وہ وجیہہ تھا۔

مردوں میں اتنا مکمل و پرکشش حسن بہت کم پایا جاتا ہے۔

''آئی ایم سوری۔ دراصل مجھے بلندی سے بہت خوف آتا ہے۔'' اپنی معذرت کے جواب میں اس نے دوسری

طرف بالکل خاموشی محسوس کر کے لحظے بھر کو نگاہ اٹھا کر دیکھا اور اس کا دل بالکل جل کر خاک ہو گیا۔ وہ اس کی آواز سننے کے باوجود چہرے کے آگے میگزین کیے بالکل لاتعلق ولاپروا بنا بیٹھا تھا۔ لمحے بھر کو وہ اپنی اہانت کے احساس سے سرخ ہو گئی۔

''اجڈ' جنگلی' جاہل۔'' اسے برا بھلا دل ہی میں کہہ کر وہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔

راستہ خاموشی سے گزرا تھا۔ اس نے پھر اس بد دماغ و مغرور شخص کو مخاطب نہیں کیا تھا جو کچھ دیر بعد چہرے سے میگزین ہٹا کر ایزی ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اطروبہ کی جانب بھول کر بھی ایک نگاہ نہ ڈالی تھی۔

جہاز اسلام آباد ایئرپورٹ پر لینڈ کر چکا تھا۔ مسافر گیٹ سے نکل کر سیڑھی کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بری طرح اپنی بیلٹ میں الجھی ہوئی تھی جو نہ معلوم کس طرح لاکڈ ہو چکی تھی۔

''ایکسکیوزمی! پلیز مجھ سے یہ بیلٹ اوپن نہیں ہو رہی۔'' وہ اسے آگے بڑھتے دیکھ کر متوحش انداز میں گویا ہوئی کیونکہ وہاں اکا دکا افراد تھے۔

''کوشش جاری رکھیے۔'' اس کے انداز میں محسوس کی جانے والی تحقیر و سرد مہری تھی۔

''یہ لاکڈ ہو گئی ہے۔ نہیں کھل رہی۔'' تمام مسافر جا چکے تھے۔ اپنی تنہائی کے خوف سے وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''جب آپ کچھ کر نہیں سکتیں تو گھر سے تنہا کیوں نکلتی ہیں؟'' وہ سخت ترش لہجے میں کہتا ہوا شولڈر بیگ اٹھا کر آگے بڑھ گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا ہی چاہتی تھی کہ بہت سرعت سے ایک ایئر ہوسٹس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔

ایئرپورٹ کے باہر پارکنگ میں خالہ صابرہ اور خالو عامر کار لیے موجود تھے جو اس سے از حد محبت اور تپاک سے ملے۔ کار میں بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر اس بد لحاظ شخص کو ڈھونڈ رہی تھی جو بیلٹ کھولنے میں بہت سرد مہری سے مدد کرنے سے انکار کر کے چلا گیا تھا مگر ایئر ہوسٹس کو بھیج کر اس نے اپنے اندر کچھ انسانیت و شرافت موجود ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی نگاہیں ناکام لوٹی تھیں۔

❖❖❖

''گوزیل! آ گئے میرے بیٹے! اتنے دن لگا دیے۔'' اس کے سلام کے جواب میں حرا بیگم نے اس کے سلام کا جواب دے کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ ڈیڑھ ماہ بعد بیٹے کو دیکھ کر ان کا چہرہ اور آنکھیں مسرت سے روشن روشن تھیں۔

''بہت پہلے آ جاتا ماما! لیکن ڈاکٹرز کے بورڈ کی میٹنگ اور پھر اس کی رپورٹ کی وجہ سے میں نے اتنا ٹائم لگا دیا۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں وضاحت کرنے لگا۔

''اچھا..... پھر کیا بتایا ان نے؟ کوئی امید افزا بات بتائی؟'' تجسس و اشتیاق کے باعث وہ اس کے قریب آ گئیں۔

''ماما! جواب ہاں بھی ہے اور نہیں بھی۔ حتمی رپورٹ وہ ایک ماہ بعد دیں گے۔ دعا کیجیے۔ کلیئر رپورٹ آ جائے۔ فی الحال بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' ماں کے چہرے پر پھیلتے حزن و ملال کے رنگ اسے ڈسٹرب کرنے لگے تو وہ تیزی سے موضوع بدل کر ہشاش بشاش لہجے میں بولا۔ حالانکہ وہ بھی از حد فکرمند و پریشان تھا۔ چھ ہفتوں سے اپنا بزنس' مینیجر اور سیکریٹری کے سپرد کر کے لندن میں ڈاکٹرز سے صلاح و مشوروں' میٹنگز و ٹاکس میں وقت گزارتا رہا تھا۔ وہاں کے بڑے سے بڑے' قابل سے قابل اسپیشلسٹ سے بات چیت کی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی کوئی مطمئن و بے فکر کر دینے والی خبر اسے نہ ملی تھی پھر بھی ماں کو فکرمند و پریشان دیکھ کر اس نے موڈ خوشگوار کر لیا کیونکہ وہ مرد تھا۔

جری و بہادر' قوت ارادی' قوت برداشت کا چٹانی حوصلہ رکھنے والا۔ اسے بخوبی علم ہو گیا تھا کہ ذہنی پریشانیوں کے سبب رابعہ ٹی بی کے آخری اسٹیج پر پہنچ چکی تھیں۔

''کھانا تقریباً تیار ہے۔ پلاؤ دم پر ہے۔ شامی کباب

بنلر سے ابھی فرائی کرواتی ہوں' پڈنگ شام کو ہی تیار کر کے میں نے فریج میں رکھ دی تھی۔ سلاد اور رائتہ ابھی منٹوں میں تیار ہوجائے گا۔ آپ اتنے فریش ہوجائیں۔'' وہ تفصیل بتاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ سیدھا آپا کے کمرے کی طرف آیا۔ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہاں حسب معمول اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا ان کی راکنگ چیئر کی طرف آ گیا جس پر بیٹھی ہوئی وہ آہستگی سے جھول رہی تھیں۔ فرش پر دبیز قالین ہونے کے باعث اس کے قدموں کی چاپ بھی نہ ابھری تھی۔

''آ گئے؟ اتنے دن لگا دیئے؟'' وہ ابھی چیئر کے پیچھے جا کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ ان کی ملائم و شیریں آواز نے اندھیرے کمرے کی خاموشی و سرد فضاؤں میں ارتعاش پیدا کیا۔

''السلام علیکم' پھوپو جان! آپ نے کیسے محسوس کیا؟ میں سوچ کر آیا تھا کہ آپ کو سرپرائز دوں گا۔ اس لیے میں نے آنے کی اطلاع بھی آپ دونوں کو نہیں دی تھی۔'' اس نے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تعجب خیز لہجے میں کہا۔

''ہا..... ہا۔ تم نے گیٹ کے اندر جیسے ہی پہلا قدم رکھا' اسی وقت وہاں سے یہاں تک تمہارے وجود کی خوشبو گلاب کی طرح پھیل گئی' جو مجھے تمہارے آنے کی خبر دے گئی۔'' وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولیں۔ ان کی یہ دھیمی سی ہنسی اس بات کی غماز تھی کہ وہ بہت خوش ہیں اس وقت' ورنہ بڑے بڑے موقعوں پر بھی ان کے لبوں کو مسکراہٹ نہ چھوتی تھی۔

''آپ اندھیرا کر کے کیوں بیٹھی رہتی ہیں؟''

''اندھیرے میرے دوست ہیں۔ بہت محبت و انسیت رکھتے ہیں مجھ سے۔ مجھے بھی ان سے والہانہ محبت ہے۔ تم میرے ان دوستوں پر معترض نہ ہوا کرو گوزیل۔''

''نہیں پھوپو! آپ روشنی کو دوست بنائیں' اجالوں سے پیار کریں۔ زندگی روشنی ہے' تمام روشنیاں' خوب صورتی' رعنائیاں اجالوں کے وجود میں پنہاں ہیں۔ آپ کیوں خود پر ظلم کر رہی ہیں؟ اندھیروں کو چھوڑیے۔ روشنیوں میں آیئے' پھر آپ محسوس کریں گی زندگی کس قدر دلکش و خوب صورت ہے۔''

''اجالے' روشنیاں صرف خوب صورت لوگوں کے لیے دلکش و خوب صورت ہیں' گوزیل فراز! مجھ جیسے لوگوں کے لیے بھیانک و خوفناک ہیں۔ کسی خون پینے والے عفریت کی مانند۔ اندھیرے تو میرے لیے ماں کے اس آنچل کی طرح ہیں جو گرم و سرد موسموں سے بچاتا ہے۔ میری ناتوانی کے باوجود مجھے اپنی پناہ میں رکھتا ہے۔ میرا تمسخر نہیں اڑاتا' میرے احساسات و جذبات کو مجروح نہیں کرتا۔ میں ہنستی ہوں' تو یہ ہنستے ہیں۔ میں روتی ہوں تو روتے ہیں۔ میں خاموش رہتی ہوں تو چیختے نہیں' بولتی ہوں تو میرے ساتھ بولتے ہیں۔ میں نے گوزیل' اندھیروں سے زیادہ دوست نواز اور ہمدرد و غمگسار کسی کو نہیں پایا۔ یہ بہت پرخلوص و بے لوث ہوتے ہیں۔'' ان کا شیریں اور مدھم لہجہ رفتہ رفتہ بھیگنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے' آپ ہمیں کچھ نہیں سمجھتی ہیں؟'' ان کی محرومیاں' ان کا دکھ' ان کا درد وہ اپنے دل کو چیرتا محسوس کر رہا تھا۔ مگر ان کا ذہن بٹانے کی خاطر لہجے کو شاکی بنا کر شکوہ کناں لہجے میں گویا ہوا۔

''ارے نہیں میری جان! آپ کا اور حرا کی محبتوں اور خلوص کا کوئی ایک پاسنگ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اندھیرے میری روح کے ساتھی ہیں۔ آپ سے میری زندگی کی سانسوں کی ڈور وابستہ ہے ورنہ زندگی میری کوئی زندگی ہے۔'' آزردگی و افسردگی ان کے لہجے میں پنہاں تھی۔

''بہت جلد آپ لائف انجوائے کریں گی پھوپو جان' میں لندن آپ کی رپورٹس لے کر گیا تھا۔''

''کیوں خوار کرتے ہو خود کو میرے پیچھے۔'' فراز نے کیا کچھ نہیں کیا تھا' نہ معلوم کون کون سے ملک کے سرجنوں کے پاس پیسہ پھینک کر آیا مگر نتیجہ کیا نکلا؟ وہی درد سری' اور کچھ بھی نہیں۔ خبردار' جو تم نے اب اپنا پیسہ' وقت اور کاروبار کا نقصان کیا تو۔ میں سمجھی' بزنس کے سلسلے میں گئے ہو۔

معلوم ہوتا تو جانے بھی نہ دیتی۔ ارے اب جیسی بھی ہے زندگی' کوئی احساس نہیں ہوتا اب..... زندگی ہی کتنی بچی ہے اب' مجھے اب صرف اعمالوں کے سوا کسی کی فکر نہیں۔ چلو شاباش' سفر سے آئے ہو' نہا کر فریش ہو' حرا کھانے پر انتظار کر رہی ہوگی۔"

❖❖❖

کبھی ملنا ہو گر بجنی
خیالوں میں چلی آنا
نہ ڈولی ہو' نہ بابل ہو
نہ مجبوری کی چھاگل ہو
ہمارے گرد ہر سو
گھٹائیں اور بادل ہوں
چلی آنا' چلی آنا
میری جانم چلی آنا.....

ہاں' ہاں۔ تم جیسے کنجوس نمبرون سے یہی توقع کی جاسکتی ہے۔ خود تو سب کے ہاں بہت خوشی خوشی پہنچتے ہو کھانے کے لیے۔ چاہے وہ کھانا شادی کا ہو یا ولیمے کا' عقیقے کا ہو یا کسی کے چہلم کا' سب جگہ پہنچتے ہو اور خود "خیالوں" میں ہی نمٹ رہے ہو۔" اطروبہ نے لہک لہک کر گاتے ہوئے حسن کی پشت پر زوردار دھپ رسید کی۔

"فکر مت کرو اطروبہ! ہم اسے خرچہ بچانے نہیں دیں گے۔" ردا ہنس کر بولی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی؟ لو بھلا بتاؤ! جوان جہان لڑکیاں ایک خوبرو اسمارٹ لڑکے کے پاس تنہائی میں چلی آئیں۔ اوئی نوج! کھلی قیامت کی نشانی ہے یہ۔" حسن دادی جان کی طرح ہونٹوں میں انگلی دبا کر بولا تو وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"اوئی اللہ! لڑکیو! کچھ حیا کا دامن پکڑو۔ کم بختو! اس طرح ہنسنے سے چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ خدائی پھٹکار برسنے لگتی ہے۔ اور لڑکیاں سولہ سال میں ہی سولہ سو سالہ لگنے لگتی ہیں۔ جبھی تو کوئی بر....."

"اچھا..... بس..... بس' زیادہ دادی جان کا رول ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اطروبہ آنکھیں نکال کر چیخی۔

"ہم کراچی سے یہاں کیا گھر میں بند ہونے کے لیے آئے ہیں؟"

"نہیں ڈیئر' اگر چاہو تو وہاں بھی بند کی جاسکتی ہو۔" حسن سامنے آسٹریلین برڈز کے وسیع و عریض پنجرے کی جانب اشارہ کر کے شرارت سے بولا تو جواب میں ان دونوں نے اس پر مکوں کی بارش کر دی۔

"کیا ہو رہا ہے بچو!" اندر سے صابرہ خالہ آتی ہوئی ان سے مخاطب ہوئیں۔ ساتھ ہی ملازمہ ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازمات رکھے آ رہی تھی۔

"خالہ جان! یہ حسن آؤٹنگ پر نہیں لے کر جا رہا۔ کب سے پریشان کر رہا ہے۔" اطروبہ خاصی معصوم و مظلوم سی صورت بنا کر گویا ہوئی۔

"حسن! بہت بری بات ہے یہ۔ خود تو سارا دن گھومتے رہتے ہو۔ میں اسکول میں ایگزیم کے باعث بالکل بھی ٹائم نہیں نکال پا رہی ہوں۔ واپسی میں اس قدر تھک جاتی ہوں کہ گھر آ کر ماسوائے آرام کے کچھ دل نہیں چاہتا۔ جب تک میں بزی ہوں تب تک تمہاری ڈیوٹی ہے بہنوں کو سیر کرانے کی۔" وہ پلیٹ میں لوازمات رکھ کر اسے دیتی ہوئی حکمیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"لاحول ولا قوۃ' ممی! آپ نے دونوں کو ہی میری بہنیں بنا ڈالا؟..... اف! یہ عورتیں شادی کے بعد کتنی بور اور غیر رومانٹک ہو جاتی ہیں۔" حسن منہ بنا کر بولا تو خالہ جان کے ساتھ وہ دونوں بھی ہنس پڑیں۔

"بالکل درست کہا ہے خالہ جان نے۔" ہم آپ کو بھائی جان کہا کریں گے۔"

"ہائے' کتنی مٹھاس' کتنی خوب صورتی' کتنی دلکشی ہے بلکہ اپنائیت و تحفظ کا سا احساس ہے۔" اطروبہ چکن برگر کھاتے ہوئے متاثر کن لہجے میں بولی۔

"خبردار۔ خبردار جو مجھے اس واہیات نام سے پکارا۔ دوشیزاؤں کے ہونٹوں سے نکلا لفظ "بھائی" مجھے گالی کی

طرح لگتا ہے۔ ہاں اگر کہنا ہی چاہو تو ''جان'' کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو۔ میں مائنڈ نہیں کروں گا۔''

''ٹھہر جا ابھی......'' خالہ جان نے مصنوعی غصے سے اپنی چپل اٹھائی وہ ایک نمبر کا شرارتی اور پھرتیلا تھا۔ اپنی بات مکمل کرتے ہی وہاں سے چھلانگ لگا چکا تھا۔ خالہ کے اس ردعمل کی اسے شاید پہلے سے توقع تھی۔

''فافٹ تیار ہو جاؤ' شکر پڑیاں اور فیصل مسجد چلیں گے۔'' وہ دور سے پکارا تھا۔

❖❖❖

موسم ابر آلود تھا۔ تیز چلتی ٹھنڈی ہوا' دھیمی دھیمی گرتی پھوار کی پازیبیں' دل پر سرمستی سی چھا رہی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے کھڑکی سے پردہ ہٹا دیا۔ شیشے کے پار موسم بہت دلفریب اور ہوشربا لگ رہا تھا۔ لان میں لگے پھول' پودے' درخت اور گھاس بارش میں دھل کر نکھر اٹھے تھے۔ اب ہوا کے دوش پر جھوم جھوم کر خوشی سے گیت گاتے محسوس ہو رہے تھے۔ ماحول پر ایک عجیب ہی حسن و نکھار چھایا ہوا تھا جو ایک عرصے بعد وہ بالکل بے اختیاری انداز میں کھڑکی کھول کر کھڑی ہو گئیں۔ یہ کبھی ان کا پسندیدہ مشغلہ رہا تھا۔ لیکن اب تو جیسے وہ چند چہروں کے علاوہ سب کچھ بھول چکی تھیں۔ آج نہ معلوم کیا ہوا تھا کہ وہ بلا ارادہ کھڑکی کی طرف آ گئی تھیں۔ سامنے گراؤنڈ میں چھوٹے چھوٹے بچے فٹ بال کھیلنے میں مصروف تھے۔

ان کی بجھی ہوئی آنکھوں میں گویا ایک دم ہی شوق و مسرت کی مشعلیں جل اٹھیں اور وہ ایک طویل مدت سے خود کو سب کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کی عادی تھیں۔ کسی سحر زدہ سی کیفیت کے زیر اثر سامنے کھیلتے' خوشی سے شور مچاتے' دنیا کے دھندوں اور بکھیڑوں سے بے خبر' موسم کے ساتھ کھیل سے لطف اندوز ہوتے بچے۔ ان کے لیے وہ منظر دنیا کے حسین ترین مناظر میں سب سے خوب صورت و حسین تھا۔

''کیا دیکھا جا رہا ہے بیگم صاحبہ؟'' ماضی کے کینوس پر کوئی رنگ اچانک ابھرا تھا۔

''آں...... کچھ نہیں۔ آپ کب آئے؟'' وہ جو بڑی چاہ و حسرت سے سامنے لان میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہی تھیں' شوہر کو اچانک سامنے دیکھ کر اپنی بے خبری و محویت پر شرمندہ ہو کر استفسار کرنے لگیں۔

''جب سے آپ اپنے پسندیدہ شغل میں مشغول تھیں۔ رابعہ! تمہیں بچے بہت اچھے لگتے ہیں؟'' وہ ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''بچے برے کس کو لگتے ہیں؟ میرے خیال میں دنیا میں حسن ہی بچوں سے قائم ہے۔''

''لیکن تمہیں کچھ زیادہ ہی پسند ہیں۔''

''ہاں۔ مجھے قدرت کی ہر اس چیز سے شدید محبت ہے جس میں اللہ کی پرچھائیں نظر آتی ہو۔ فطرت کے ہر نظارے کی میں اس لیے شیدائی ہوں۔ آپ اماں سے بھی مل کر آئے ہیں یا یہیں چلے آئے ہیں؟'' کسی خیال سے وہ چونک کر بولیں۔

''آپ کی اس حسین صورت کی کشش ہمیں دروازے سے داخل ہوتے ہی یہیں کھینچ کر لے آئی ہے۔'' اس نے اس کی اونچی خوب صورت ناک کو دباتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''اماں غصے ہوتی ہیں۔ آفس سے آ کر پہلے ان کے پاس جایا کریں۔''

''مجبور ہیں ہم' اس دل کے ہاتھوں' جو گھر میں قدم رکھتے ہی پہلے تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔''

''اف۔ میری ناک تو چھوڑیں آپ' توبہ۔ کیا توڑ ہی دیں گے میری ناک؟'' اسے بدستور ناک دبائے دیکھ کر وہ غصے سے بولیں۔

''ہاں۔ توڑ بھی دیں گے اگر تم نے ہمیں نظر انداز کیا تو۔ تمہیں معلوم ہے' اماں سے میں نے لڑکی کے لیے کیا شرط رکھی تھی کہ ایسی لڑکی کو بہو بنایئے گا جس کی ناک اونچی اور چوٹی لمبی ہو۔ مجھے اونچی ناک اور لمبی چوٹی والی لڑکیاں بہت پرکشش لگتی ہیں اور اماں نے تمہیں لا کر میری خواہش پوری کر ڈالی۔'' وہ اسے بازوؤں کے حصار میں لیتا ہوا خمار

آلود لہجے میں بولا۔ اور اسی دم اماں حسب عادت دروازہ ناک کیے بغیر اندر آ گئیں۔ رابعہ تیزی سے اس سے الگ ہوئی تھی۔

''اے ہے..... میں کہوں جورو کے غلام! ارے ماں پاگلوں کی طرح صبح سے انتظار کر کے سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے اور تو سب سے پہلے حاضری بیوی کی خدمت میں لگاتا ہے۔ حد ہو گئی' تو زن مریدی میں اپنے باپ سے بھی چار ہاتھ آگے نکلا۔''

''ایسی بات نہیں ہے اماں۔'' وہ اماں کو اسٹارٹ لیتے دیکھ کر فوراً بولا۔ لیکن وہ شدید غیظ و غضب کا شکار تھیں۔ اسے جھٹک کر بولیں۔

''بیٹا سارا دن گھر سے غائب۔ بہو ہر وقت کمرے میں بند' کھڑکی سے لگی برابر والے گھر کے مردوں کو تاکتی رہتی ہے۔ آخر میں بوڑھی کہاں جاؤں؟''

''اماں۔ اماں! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' رابعہ سراسیمہ ہو کر بولی۔

''جو دیکھتی ہوں' وہی کہہ رہی ہوں۔ میرے بیٹے میں کیا کمی ہے؟ یہ تجھے خوش نہیں رکھتا؟''

''اماں! کیا بول رہی ہیں آپ؟ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟'' وہ بھی جز بز ہو کر بولا۔ رابعہ سفید پڑ گئی تھی' خوف کے مارے۔ کیونکہ اس نے شوہر کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں دیکھ لی تھیں۔ بے شک وہ اس سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا تھا مگر اس میں شک کرنے کی اور ماں کی ہر بات پر بھروسہ کرنے کی پختہ عادت تھی۔

''میں تو جھوٹی لگوں گی تجھے' دیکھ ذرا اپنی آنکھوں سے۔ یہاں یہی تماشے ہوتے ہیں۔ میں کب تک اپنی زبان بند رکھوں؟ نہ بابا نہ اب برداشت جواب دے گئی۔''

وہ بیٹے کو لے کر کھڑکی پر جھک گئیں جہاں سے برابر والوں کا لان اور برآمدہ صاف نظر آتا تھا۔ وہ جو بچوں کی دیوانی تھی اور اکثر تنہائی میں پڑوسی کے بچوں کو کھیلتا دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ اماں نے اس بات کو کسی اور رنگ میں لیا تھا۔ اماں کے ساتھ اس نے جھانکا تو شومئی قسمت نیچے لان میں پڑوسن کا بھائی کھڑا تھا اور اس کا رخ بھی اوپر کھڑکی کی طرف تھا۔ اماں نے ایک کاٹ دار نگاہ بیٹے پر ڈالی اور کمرے سے چلی گئیں۔

''آپ..... آپ کسی غلط فہمی کا شکار مت ہوں' اماں.....''

''خاموش' اپنی ماں کے خلاف میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتا۔ سنو' تم کہتی ہو نا کہ تمہیں میری جنوں خیز محبت سے خوف آتا ہے تو سن لو جنوں خیز محبتوں کا انجام کبھی کبھی بہت لرزہ خیز ہوتا ہے۔'' اس کی آنکھوں سے خون چھلکنے لگا۔

معاً ایک خنک بھیگا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تو وہ چونک کر ماضی کے گرداب سے نکل آئی۔ موسم کی دلکشی نے یک دم ہی تمام کشش کھو دی تھی۔ وہ بددلی سے کھڑکی بند کر کے اندر آ گئی۔

شام کو گوزیل گھر لوٹا تو گھر میں خاموشیوں اور اداسیوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ گو گھر میں شور و ہنگامہ کبھی نہ ہوتا تھا کہ وہ کل تین نفوس تھے گھر میں۔ وہ صبح کا نکلا شام کو گھر لوٹتا تھا۔ پھپھو اپنے کمرے سے باہر نکلتی نہ تھیں۔ ان کا وجود گھر میں ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ گھر کی خاموشی و ویرانی کو حرا بیگم کی آواز کچھ حد تک ختم کرتی تھی کیونکہ وہ ملازموں سے باتیں کرتی رہتی تھیں۔ اکثر تنہائی میں بھی خود کلامی کرتی تھیں۔ آج ان کی غیر موجودگی میں گویا گھر کے سناٹوں نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔ ملازمہ کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ ماما کسی عزیز کے ہاں گئی ہیں عیادت کو۔ وہ ملازمہ کو چائے کا کہہ کر پھپھو کی طرف گیا لیکن ان کا دروازہ بند دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ نہا کر اس نے وائٹ کاٹن کا شلوار سوٹ زیب تن کیا اور بالوں میں برش کر کے چائے پینے لگا جو ملازمہ ابھی رکھ کر گئی تھی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور پژمردگی کی گہری افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ آج لندن سے سرجن البرٹ کی حتمی رپورٹ اسے مل گئی تھی جس نے معذرت کے ساتھ لکھا تھا کہ اس کیس میں انہیں مکمل ناکامی ہوئی ہے۔ مرض انتہائی شکل اختیار کر چکا ہے۔

رپورٹ پھاڑ کر اس نے ڈسٹ بن میں پھینکی تھی۔ پہلی بار اس کا دل چاہا کہ خوب زور زور سے روئے' چیخے' چلائے تاکہ اندر کا تمام حبس و گھٹن آنکھوں کے ذریعے بہہ جائے۔ آفس میں ہونے کے باعث اس کی حسرت دل ہی میں رہی تھی۔

"ہاں..... میں اس شخص کو ڈھونڈ نکالوں گا۔ اس سے انتقام لوں گا' پھپھو کی معصومیت اور سادگی کا' اس اذیت بھری زندگی کا جس کا لمحہ لمحہ انہوں نے سسک سسک کر گزارا ہے۔ میں ڈھونڈ لوں گا اس شخص کو چاہے وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو۔ وہ شخص بے بنیاد شک پر پھپھو کی زندگی ویران کر گیا تھا۔ انہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

اس کے سرخ انگارہ چہرے پر نیا عزم سورج کی طرح چمکنے لگا تھا۔

❖❖❖

"خالہ جان! دو ہفتے ہو گئے' مجھے کراچی سے یہاں آئے۔ اب تو واپس جانے کو دل چاہ رہا ہے۔ آپ چلیں گی نا؟" وہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

"ابھی نہیں چندا! کم از کم ایک ماہ تو یہاں ٹھہرو۔"

"ایک ماہ! دادی جان تو جلوس نکال دیں گی میرا۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"ارے نہیں' اماں سے میں فون پر اجازت لے لوں گی۔ تم فکر مت کرو۔" وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

"اوہو! بہت لاڈ ہو رہے ہیں' خالہ بھانجی میں۔" ردا کے ساتھ اندر آتا حسن سیٹی بجاتا ہوا مصنوعی حیرانی سے گویا ہوا۔

"تم دونوں مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟" اطروبہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

"چھوڑ کر؟ اوہ نو! یہ تو کہہ رہے تھے تم نے منع کر دیا ہے۔" ردا حیرانی سے گویا ہوئی۔

"نو..... نو۔ میں نے کہا تھا کہ بائیک پر ایک وقت میں ایک دوشیزہ ہی بیٹھ سکتی ہے۔" حسن گڑبڑا کر گویا ہوا۔

اس کی کیفیت دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی کیونکہ فرسٹ نائم اس نے حسن کو گھبراتے' بوکھلاتے دیکھا تھا۔

"یہ گھبراہٹ' ہچکچاہٹ' بوکھلاہٹ بتا رہی ہے' دال میں کچھ کالا ہے۔"

"غور سے دیکھو ساری دال ہی کالی ہے۔" حسن معنی خیزی سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ مکا تان کر ردا کی طرف بڑھی جو گلنار چہرہ لیے کھڑی تھی۔

❖❖❖

وحشتوں کی ویرانی کچھ یوں بھی گھر کر آئی ہے
بارش کی رم جھم میں بھی دل بوجھل بوجھل رہتا ہے
یادوں کی بند کھڑکی بھی کھلتی ہے
عجب دکھوں کے میلے میں اک شور سا برپا رہتا ہے

"میری سمجھ میں اس لڑکے کی باتیں نہیں آتیں۔ اچھے خاصے اس علاقے میں رہ رہے تھے۔ پڑوسیوں سے بھی بہترین مراسم تھے۔ نامعلوم کیا دل میں سمائی کہ دو دن کے اندر اندر اپنی کوٹھی چھوڑ کر یہاں شفٹ ہونا پڑا۔ اللہ جانے کیسے لوگ ہیں یہاں کے؟ نہ معلوم کیسے پڑوسی ثابت ہوں؟ انسان کا تعلق رشتے داروں سے بعد میں پہلے پڑوسیوں سے پڑتا ہے۔" حرا بیگم جو نئی کوٹھی میں ابھی سیٹنگ وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھی تھیں' تھکے تھکے انداز میں سامنے بیٹھی رابعہ سے مخاطب ہوئیں۔

"کس وقت کی بات کر رہی ہو حرا! وہ وقت گزر گیا جب تم پڑوسیوں سے بہت اچھے تعلق رکھتی تھیں۔ اب میری وجہ سے گوزیل کہاں کسی سے ملنا جلنا پسند کرتا ہے۔ صرف رسمی علیک سلیک ہوتی ہے لوگوں سے بھی' میری خاطر سب سے ہی رشتہ توڑ بیٹھے ہو تم ماں بیٹے۔ یہاں بھی کم آباد علاقے میں اس نے گھر اسی لیے لیا ہے۔"

"ایسی باتیں مت کیا کریں آپا' آپ۔ آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی عزیز بھی نہیں ہے۔ فراز نے آخری وقت مجھ سے یہی وعدہ لیا تھا کہ میں گوزیل کے معاملے میں بھی کوئی کوتاہی کر جاؤں تو کوئی حرج نہیں مگر آپ کی طرف سے معمولی سی غفلت پر بھی وہ مجھ سے روز محشر جواب طلبی

گے۔ یہ تو خیر ان کی وصیت تھی۔ جو آپ کی محبت میں وہ مجھے گر گئے تھے لیکن مجھے آپ سے کچھ انسیت ہی ایسی ہے کہ میں دلی طور پر آپ سے محبت کرتی ہوں۔ جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے لیے دنیا کو چھوڑا جا سکتا ہے۔'' انہوں نے رابعہ کے ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے کہا تو فرط جذبات سے رابعہ نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ پھر بھرائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''مجھے یہی تو دکھ ہے حرا' کینسر نے میرے اس چاند سے بھائی کی جان کم عمری میں ہی لے لی۔ اس کے بدلے مجھے موت آجاتی تو۔''

''آپا! ایسی باتیں نہ کریں۔'' حرا بیگم نے ان کی بات قطع کر کے دکھ سے کہا۔

''تم آرام کرو آج کھانا میں بناؤں گی۔ تھک گئی ہو سارا دن ہو گیا کام کرتے ہوئے۔''

''سارا کام ملازموں نے کیا ہے۔ میں نے صرف ہدایت دی ہے۔ کھانا میں بنالوں گی۔''

''نہیں۔ یہ کام بھی تھکا کر رکھ دیتا ہے۔ تم جا کر آرام کرو۔ دروازہ اندر سے لاک کر لینا۔ کوئی آنے والا تو ہے نہیں۔ میں یکسوئی سے کام کرلوں گی۔'' انہوں نے حرا بیگم کو کہتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

❖❖❖

''ہوں۔ کیا سمجھتا ہے وہ حسن کا بچہ خود کو۔ اگر وہ مجھے لے کر جائے گا تب ہی میں سیر کو جا سکتی ہوں؟ اونہہ ایسا تو ممکن ہی نہیں اطروبہ ریاض جو فیصلہ کرے اور فوری اس پر عمل نہ کرے۔ امپاسبل۔'' اس نے راہ میں پڑے چھوٹے سے سنگریزے کو ٹھوکر مارتے ہوئے بپھرے انداز میں سوچا۔

وہ آج صبح سے حسن سے ضد کر رہی تھی کہ وہ آؤٹنگ پر لے کر جائے لیکن حسن سونے میں مگن تھا۔ وہ نیند کا بہت رسیا تھا۔ آنٹی کے اٹھانے پر بڑی مشکل سے اٹھتا تھا وہ بھی کئی چکروں کے بعد اور چھٹی والے دن تو دوپہر سے پہلے قطعی نہیں اٹھتا تھا۔ بھلے کچھ بھی ہو جائے۔

آج سنڈے تھا اور وہ دوپہر گزر جانے کے باوجود بستر چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔

آنٹی اپنی سسرالی عزیزہ کی مزاج پرسی کو گئی ہوئی تھیں۔

اس نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ردا بھی ایک ہفتہ قبل کراچی سے دادی کی ڈانٹ سننے کے بعد چلی گئی تھی۔ اسے آنٹی نے دادی سے زبردستی اجازت لے کر کچھ دنوں کے لیے روک لیا تھا۔ حسن نہیں اٹھا تو وہ مارے غصے کے تنہا ہی نکل آئی تھی۔

وہاں پھیلا صاف ستھرا سبزہ اور ان کے درمیان کھلے رنگ برنگے پھولوں سے ماحول خوب صورت لگ رہا تھا۔ دن خاصا سرد تھا لیکن دھیمی چلتی ہوا میں غروب ہوتے سورج کی تمازت مل کر عجیب کیف آور خمار دل و دماغ پر چھا رہا تھا۔

پنک کاٹن کے ایمبرائیڈری سوٹ پر بلیک سوئٹر پہنے دوپٹہ سر پر جمائے ہاتھ میں پکڑے آئس کریم کون سے لطف اندوز ہوتی ساتھ موسم کو انجوائے کرتی وہ اپنی دھن میں خاصی دور نکل آئی تھی۔ سورج سرخ دہکتی تھالی کی صورت سامنے اس بلند پہاڑ کے پہلو میں گم ہو رہا تھا۔ ماحول میں سرمئی غبار پھیلتا ہوا ہر شے کو کثیف دھند میں لپیٹ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فضا میں خنکی اور سناٹے بڑھنے لگے۔ سورج غروب ہو چکا تھا' ہوا میں برف کی ٹھنڈک محسوس ہونے لگی۔ شفاف نیلے آکاش پر پرندوں کے غول چہچہاتے ہوئے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف محو پرواز تھے۔ اس نے کون ایک سائیڈ میں اچھالا اور تیزی سے گھر کی جانب قدم بڑھانے لگی۔ ''اوہ..... اتنی دیر ہو گئی۔ مجھے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ گھر پر آنٹی آ گئی ہوں گی اور حسن بھی اب تو اٹھ گیا ہوگا۔ مجھے گھر پر نہ پا کر وہ کیا سوچیں گے؟ کتنے پریشان ہوں گے؟ میں کسی ملازم کو بھی بتا کر نہیں آئی۔'' وہ تیز تیز چلتی ہوئی ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا کیونکہ یہ وہ راستہ نہیں تھا جو آنٹی کے گھر کی سمت جاتا تھا بلکہ آگے تو پہاڑی سلسلہ اور تاحد نگاہ پھیلا سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس نے

سراسیمہ ہوکر ادھر ادھر دیکھا۔ خاصے فاصلوں پر زیر تعمیر پلازہ ویران پڑے تھے۔

شام کا سرمئی آنچل دھیرے دھیرے رات کی سیاہ چادر اوڑھنے لگا تھا۔ سڑکوں پر آراستہ لائٹس روشن ہوچکی تھیں اور دور دور نظر آتے گھروں سے بھی روشنیاں نظر آرہی تھیں' پرندوں کی چہکاریں بند ہوگئی تھیں۔

سیاہ کشادہ سڑک پر کبھی کبھی کوئی کار' کوسٹر وغیرہ گزر جاتی ورنہ خاموشی تھی۔ ازحد کوشش کے باوجود اسے راستہ یاد نہ آیا تو اس نے متوحش ہوکر سیدھی سڑک پر دوڑ لگادی تھی۔ ہوش وحواس اس بات کا ادراک ہوتے ہی سلب ہوگئے کہ وہ گھر کا راستہ بھول چکی ہے۔ اس وقت وحشت کے عالم میں اسے اس بات کی بھی پروانہیں تھی کہ وہ یوں بھاگتی ہوئی کس قدر مضحکہ خیز دکھائی دے رہی ہے اور اگر حسن دیکھ لے تو خوب ریکارڈ لگائے۔ اس وقت اسے بس یہی خوف مارے ڈال رہا تھا کہ اگر گھر نہ ملا تو اس اجنبی علاقے میں کہاں رات گزارے گی؟ تنہائی اور رات کی خوف ناک تاریکی۔ قدموں میں جیسے برق دوڑ رہی تھی۔

خاصا راستہ اس نے دوڑ کر عبور کرلیا تھا۔

معاً سامنے سے آتی کار سے وہ ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"میڈم خیریت تو ہے؟ کیا کتے پیچھے لگے ہوئے ہیں آپ کے؟" دو لڑکے کار روک کر نیچے اترے ان میں سے ایک گویا ہوا۔

"ابھی ایکسیڈنٹ ہوجاتا۔ آپ تو آرام سے "اوپر" کا رخ کرلیتیں اور ہم حوالات میں تاحیات چکی پیستے۔" دوسرا ابھی قریب آکر گویا ہوا۔

"پلیز' میری مدد کیجیے۔ میں راستہ بھٹک گئی ہوں۔" اس نے پھولے ہوئے سانسوں پر قابو پاکر تقریباً روتے ہوئے التجا کی۔

"اچھا۔ آپ راستہ بھول گئی ہیں۔ آیئے پلیز ہم آپ کو ڈراپ کردیں گے۔" یکلخت ان دونوں کی نگاہوں سے ہویدا ہونے والی ہوس اور ہونٹوں پر ابھرتی مسکراہٹ نے اس کے اندر خطرے کے سائرن بجادیئے۔

"آیئے نا...... کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر ان میں سے ایک آگے بڑھ کر خاصی بے تکلفی سے گویا ہوا۔

"مجھے ایڈریس تو یاد نہیں ہے۔ آپ کہاں ڈراپ کریں گے مجھے؟" وہ غیرارادی طور پر پیچھے کی جانب ہٹتے ہوئے بولی۔ ساتھ ہی اس کی نگاہیں سڑک کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ دور سے ہیڈ لائٹس کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں؟ آپ جیسی حسین وجوان لڑکیوں کے لیے ہم جیسے حسن پرست پروانوں کے دل کے دروازے ہمہ وقت کھلے رہتے ہیں۔ آؤ' چلی آؤ...... کیوں دیر کرتی ہو؟"

"شٹ اپ۔ ہاتھ نہ لگانا مجھے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ انہیں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر دہشت سے چیخی تھی۔

"جانتے ہیں۔ تم کس قدر شریف وباکردار لڑکی ہو۔ خاموشی سے آتی ہو یا تمہاری جھوٹی پارسائی کا بھرم یہیں پاش پاش کردیں۔" دور سے نظر آنے والی روشنیاں قریب آگئی تھیں۔ خطرہ ان لڑکوں نے قریب دیکھ کر اطروبہ کے ہاتھ پکڑ کر زبردستی کار کی طرف گھسیٹنے لگے۔ ان سے خود کو چھڑانے کی کوشش میں اطروبہ نے چیخنا شروع کردیا تھا۔ اس اثنا میں وہ سلور گرے کار تیزی سے ان کے قریب رکی تھی اور برق رفتاری سے ڈرائیونگ ڈور کھول کر بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس وہ شخص بڑے غیظ وغضب بھرے انداز میں باہر آیا اور ان نوجوانوں کی طرف بڑھا جو کار رکتے دیکھ کر گھبرا گئے تھے اور اطروبہ کو چھوڑ کر تیزی سے فرار ہوگئے تھے۔

"اوہ شٹ! کون تھے یہ لوگ؟ آپ گھر سے تنہا کیوں نکلی ہیں؟" انہیں کار سمیت بھاگتے دیکھ کر اس نے غصے سے اپنی ہتھیلی پر مکا مارتے ہوئے سرد مہری سے اطروبہ سے پوچھا جو ان غنڈوں سے بچنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے دوپٹہ سر پر اوڑھ رہی تھی۔ آنسو

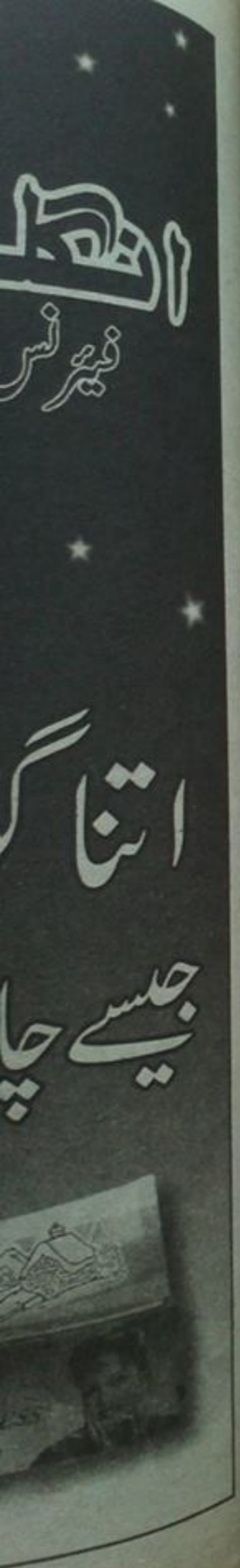

بے اختیار روانی سے بہہ رہے تھے۔ اچانک رونما ہو جانے والے اس حادثے سے اس کا وجود ابھی تک کانپ رہا تھا۔

''محترمہ! میں آپ سے مخاطب ہوں؟'' لہجے میں سرد مہری کے علاوہ جھنجلاہٹ بھی تھی۔ اطروبہ نے چونک کر دیکھا۔ یہ وہی تھا' پلین کے سفر کا بدمزاج ہم سفر۔ اکھڑ' تندخو' سرد مہر' چہرے پر بیزاری مگر مضبوط کردار' قابل اعتماد بندہ۔

''غنڈے تھے وہ لوگ۔ اور میں گھر سے تنہا یوں نکلی کہ اس حسن کے بچے کو میں بتانا چاہتی تھی کہ میں محتاج نہیں ہوں اس کی۔'' اس نے حسب عادت احمقانہ انداز میں جواب دیا۔ گوزیل نے اس کے جواب پر بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو یہ وہی لڑکی نکلی جس کی ہم سفری میں وہ نہایت کوفت سے دوچار رہا تھا۔ اس نے غصے میں اس وقت اسے نہ معلوم کیا کیا کہہ ڈالا تھا۔ لیکن پھر اس کے چہرے اور آنکھوں سے ہویدا خوف و دہشت دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ وہ فرسٹ ٹائم جہاز میں سفر کر رہی ہے اور عموماً اکثر لوگ پہلے سفر میں اسی خوف کا شکار ہوتے ہیں کہ جہاز کریش نہ ہو جائے۔

خلاف عادت اکثر تنہائی میں اس احمق لڑکی کی بے وقوفانہ حرکتیں اسے بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر ڈالتی تھیں۔ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ لڑکی اپنی تمام تر حماقتوں سمیت اس کے حافظے میں محفوظ تھی وگرنہ وہ کئی دلوں کی دھڑکن ہونے کے باوجود کسی کو ایک نگاہ اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہ تھا۔

آج کئی ہفتے بعد وہی بے وقوف ہم سفر سامنے تھی۔ اپنی تمام تر بے وقوفی' احمقانہ پن اور معصومیت سمیت۔

''کہاں جائیں گی آپ؟'' گلابی دوپٹے کی اوٹ سے جھانکتے اس کے سرخ بھیگے بھیگے چہرے کو دیکھتے ہوئے سابقہ لہجے میں استفسار کیا۔

''مجھے نہیں معلوم' میں گھر ہی بھول گئی ہوں۔'' آنسوؤں میں روانی پھر ہوئی۔

''گھر بھول گئی ہیں؟ چہ...... خوب! ایڈریس ازبر نہیں ہے اور تنہا گھر سے نکل آئی ہیں۔ چاہتی کیا ہیں آپ؟ آپ کوئی ناسمجھ بچی نہیں ہیں جسے وقت کی نزاکت اور حالات کی سنگینی کا شعور و ادراک نہ ہو۔ جانتی ہیں اگر میں ابھی اتفاقاً یہاں سے نہیں گزرتا تو' کیا ہوتا؟''

درشت لہجے میں اس نے اس کی خاصی گوشمالی کر ڈالی تھی' جواباً وہ اپنے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے دوپٹے کے پلو سے رگڑتی چہرے کو مزید سرخ کر رہی تھی۔

''آئیے...... کیا صبح تک یہیں کھڑے رہ کر برف بن جانے کا ارادہ ہے؟'' اس نے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''نہیں۔ اب میں کسی پر اعتبار نہیں کروں گی۔'' اطروبہ نے قطعی لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' گوزیل سراپا سلگ اٹھا۔

''ان دونوں نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ مجھے ڈراپ کر دیں گے...... لیکن......''

''میں...... میں...... ایسا لگتا ہوں آپ کو؟'' اس کے لہجے میں شعلوں کی لپٹ تھی۔

''لگتے تو وہ بھی شریف ہی تھے آپ کی طرح۔'' اس کی سادگی قابل دید تھی۔

''او مائی گاڈ! لڑکی تم نہ صرف بے اور قوف و احمق ہو بلکہ عقل سے فارغ بھی ہو۔ کھڑی رہو یہاں پر۔ تمہارے لیے عرش سے کوئی فرشتہ اتر کر آئے گا۔ اونہہ...... نان سینس' اسٹوپڈ۔'' وہ غصے سے کھولتا' سرخ چہرہ لیے دھم دھم کرتا کار کی طرف بڑھا اور دھماکے سے ڈرائیونگ ڈور بند کر کے کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

''پلیز...... پلیز۔ کار روکیے۔ میں چل رہی ہوں۔'' اطروبہ کو ایک دم ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا تو وہ بھاگتی ہوئی کار کی طرف بڑھی جو وہ اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''اتنی جلدی میری شرافت پر کس طرح یقین ہو گیا آپ کو؟''

''پلیز' اس وقت میں بہت ٹینشن محسوس کر رہی ہوں۔''

مجھے خود معلوم نہیں' میں کیا کہہ رہی ہوں' ٹائم بہت ہوگیا ہے۔ گھر پر آنٹی اور وہ حسن کا بچہ پریشان ہورہے ہوں گے۔'' وہ کار رکتے ہی تیزی سے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھتے ہوئے پریشانی سے بولی۔

''پہلی دفعہ آئی ہیں یہاں پر؟'' گوزیل نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔ لیکن اس حسن کے بچے نے سارا مزہ کرکرا کردیا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''حسن کے بچے' کیا وہ بہت شرارتی بچے ہیں؟'' عام انداز میں پوچھے گئے سوال نے کار کے گرم ماحول میں کھلکھلاتی ہنسی کی جلترنگ بکھیر دیئے تھے۔ اس نے دلچسپ نگاہ اس پر ڈال کر ہٹالی تھی جو بے ساختہ ہنس رہی تھی۔

''حسن کے بچے..... اوہ..... اس کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔'' اس نے بمشکل ہنسی پر قابو پاکر اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''آپ ذہن پر زور ڈالیے' یاد کیجیے۔ آپ کو ایریا تو یاد ہوگا۔ آپ اپنے انکل کا نام بتایئے' وہ بزنس کیا کرتے ہیں؟'' اسے نفی میں سر ہلاتے دیکھ کر گوزیل نے لہجے میں نرمی پیدا کی۔

''الیکٹرونکس کی مصنوعات بنانے کی فیکٹری ہے۔ انکل عامر کی' فیکٹری کا نام نہیں معلوم۔''

''یہ کوئی امپورٹنڈ بات نہیں ہے۔ ایسی فیکٹریاں اور عامر صاحب یہاں متعدد ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کو کس بے وقوف نے مشورہ دیا تھا اس طرح تنہا گھر سے نکلنے کا؟'' کار سیدھی سڑک پر دوڑاتے ہوئے اس کا غصہ اور جھنجلاہٹ بتدریج بڑھ رہی تھی۔

''مجھے کون مشورہ دے سکتا ہے؟ میں اپنے مشوروں پر چلتی ہوں۔''

''جی' بے شک' آپ جیسے لوگوں کو مشوروں کی ضرورت ہوتی بھی نہیں ہے۔ ایک لمٹ ہوتی ہے حماقت کی بھی۔ لیکن آپ اسے بھی کراس کرچکی ہیں۔ اب میں کب تک آپ کو لیے گھومتا رہوں؟ میں کوئی بے کار اور فضول آدمی نہیں ہوں اور نہ ہی آپ جیسے احمق لوگ مجھے پسند ہیں۔'' گوزیل فراز کے لہجے سے نرمی غائب ہوگئی تھی۔ سرد مہری و تلخ مزاجی جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھی (گھر سے باہر کے لوگوں کے لیے) عود کر آئی تھی۔

''میں کب کہہ رہی ہوں' آپ مجھے پسند کریں' آپ جیسے بدمزاج اور چڑچڑے لوگ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔'' اس نے حسب عادت صاف گوئی سے کہا۔ جواباً وہ تلخی سے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''حسن صاحب کے بارے میں ہی کچھ بتایئے' کیسے ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟'' وہ اب مکمل طور پر زچ ہوچکا تھا۔

''حسن؟ وہ بغیر دم کا بندر ہے بلکہ گدھا' علاوہ لمبی لمبی باتیں کرنے کے اور کچھ نہیں کرتا۔'' اس کے اطمینان سے جواب دینے پر اس کا دل چاہا کہ کار کسی پول سے ٹکرادے۔ عجیب خبط الحواس لڑکی سے واسطہ پڑا تھا۔

''کیا کروں میں آپ کا؟ کسی ناگہانی عذاب کی طرح آپ مجھ پر مسلط ہوگئی ہیں۔ میں اب مزید آپ کو سڑکوں کی سیر نہیں کرواسکتا۔ گھر والے میری وجہ سے پریشان ہوجائیں گے۔''

''مجھے..... کراچی کا ایڈریس یاد ہے اور فون نمبر بھی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''یعنی میں آپ کو کراچی ڈراپ کرکے آؤں؟'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' اطروبہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ سرد مہری خاموشی یکدم ہی طاری ہوگئی تھی۔ اس کے وجیہہ چہرے پر سنجیدگی و متانت کے ساتھ بیزاری و تفکر بھی چھایا تھا۔

اطروبہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ شیشے سے باہر کے بھاگتے دوڑتے نظارے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کراچی کال کرکے ان سے انکل کا ایڈریس معلوم کرلیں۔'' چند منٹ بعد اس نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ ایسا میں ہرگز نہیں کر سکتی۔ وہاں دادی ہوں گی۔ اور اگر دادی جان کو معلوم ہوا کہ میں اس طرح تنہا گھر سے نکلی ہوں اور راستہ بھول کر ایک غیر اور اجنبی مرد کے ساتھ کار میں گھوم رہی ہوں بلکہ گھر ڈھونڈ رہی ہوں تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ انہوں نے پہلے ہی کہا تھا' میں یہاں آ کر کوئی اوٹ پٹانگ حرکت نہ کروں۔'' اس نے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں جھرجھری لے کر کہا۔

''اوہ......'' اس نے کار روک کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''ارے......! یہ تو آنٹی کا گھر ہے۔ اوہ' وہ دیکھیے۔ وہ جو وائٹ ماربل کا بنگلہ بنا ہے۔ وہ عامر انکل کا ہی ہے۔'' وہ مسرت سے بے حال ہوتی تیزی سے دروازہ کھول کر ہاتھ کے اشارے سے بتانے لگی۔

''تھینکس گاڈ! آئندہ احتیاط کیجیے گا تنہا باہر نکلنے سے۔'' اس نے ایک گہری نگاہ اس کے مسرت سے گلنار چہرے پر ڈالی اور زن سے کار آگے بڑھا لی۔ وہ حیرانی سے اس کی دور ہوتی کار دیکھتی رہ گئی۔

''واہ! حیرت انگیز شخص ہے۔ شکریہ ادا کرنے کا موقع بھی نہیں دیا۔''

''ارے پارٹنر! تم کہاں چلی گئی تھیں؟ میں ابھی مسجد میں اعلان کروانے جا رہا تھا۔'' وہ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اندر سے حسن برآمد ہوا اور اسے دیکھ کر تشکرانہ لہجے میں بولا۔

''تم' میرا اعلان کرواؤ گے؟ اتنی بڑی کا؟'' وہ چمک کر گویا ہوئی۔

''ہاں تو کیا ہوا؟ کہہ دیتا دماغی توازن درست نہیں ہے۔''

''حسن کے بچے! میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔'' وہ اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

❁❁❁

''گوزیل! مجھ سے اب اس گھر کا سونا پن اور ویرانی نہیں دیکھی جاتی' میں اب جلد از جلد اس گھر میں بہو لانا چاہتی ہوں اور اس بار کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔'' کھانے کی ٹیبل پر حرا بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

''حرا' درست کہہ رہی ہے۔ آخر کب تک انتظار کرواؤ گے؟''

''ہاں۔ میں کل مسز طارق سے ان کی بیٹی سونیا کو مانگ لوں گی۔ خاصی خوش شکل اور ماڈرن ہے۔ تمہارے ساتھ قدم سے قدم ملا کر سوسائٹی میں موو کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔''

''وہ تمہیں لائیک کرتی ہے۔ اکثر تمہارے کٹھور پن اور بے نیازی کی شکایت کرتی ہے۔ رئیلی' بہت خوش رہے گی تمہارے ساتھ وہ۔'' رابعہ نے سوئٹ ڈش اٹھاتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

''نو۔ نیور' امپاسبل۔ جو اس قدر بے باک و بے لگام ہو ایسی لڑکی کا تصور بھی مجھے منظور نہیں ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''اپنی پسند بتا دو پھر؟'' حرا بیگم جز بز ہو کر گویا ہوئیں۔

''ابھی نہیں۔ مجھے شادی کی قطعی جلدی نہیں ہے۔ میرے آگے ایک مشن ہے۔''

''فضول باتیں چھوڑو گوزیل! میں اپنی زندگی گزار چکی۔ میری خاطر خود کو روگ مت لگاؤ۔ تم ابھی کچھ دیر قبل کسی لڑکی کا ذکر کر رہے تھے۔ کیا ہوا تھا؟''

''وہ۔ از حد بے وقوف اور احمق لڑکی تھی۔ اس کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی تھی۔'' مختصراً اس کے بارے میں بتاتے ہوئے گوزیل کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ ابھری تھی۔

''ویسے خاصی حیرت کی بات ہے۔ تم نے آج پہلی مرتبہ کسی لڑکی کا ذکر مسکرا کر کیا ہے۔ کیا وہ بہت کیوٹ تھی یا صرف احمق ہی؟''

''پھپھو! آپ بات گھما رہی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔ حالانکہ تصور میں اس کا گلابی رنگ چہرہ یکدم ہی در آیا تھا اور اس کے اندر عجیب سی ہلچل مچ گئی۔

"ممی چائے لا رہی ہیں۔ ان کے سامنے ذکر مت چھیڑیئے گا۔"

❖❖❖

میرا ہم سفر رہا بے خبر
وہ نہ پڑھ سکا مری وہ نظر
وہ نظر کہ جس میں پیار تھا
اور پیار دیوانہ وار تھا

"نانی جان کا خاندان چنگیز خان کے پڑوس میں تو واقع نہ تھا؟ چنگیز خان جس شہر کا رخ کرتا وہاں اس کے استقبال کے لیے انسانی کھوپڑیوں کے مینار لگا دیئے جاتے تھے۔ نانی جان‘ ایسی ہی مسرت معصوم و پیار بھرے دلوں پر جدائی کی چھریاں چلا کر محسوس کرتی ہیں۔" حسن ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتا دہائی دینے والے انداز میں اطروبہ سے بولا۔

"فار گاڈ سیک‘ یہ ٹھنڈی سانسیں لینا بند کرو‘ مجھے پہلے ہی سردی لگ رہی ہے اور خبردار جو دادی جان کی شان میں کوئی گستاخی کی۔" راکنگ چیئر پر جھولتی ڈرائی فروٹ کھاتے ہوئے وہ اسے گھور کر بولی۔

"ہمارے پیار سے جلنے لگی ہے یہ دنیا۔ دعا کرو کسی دشمن کی بددعا نہ لگے۔" حسن نے پردرد انداز میں شعر پڑھا۔

"اوہ۔ میں دشمن ہوگئی؟ ٹھیک ہے بچو! کام تو مجھ سے ہی پڑے گا۔"

"تم جاؤ گی کب؟ جم کر بیٹھ گئی ہو یہاں‘ وہاں ردا بے چاری تمہیں کس قدر مس کر رہی ہوگی اور وہاں نانی جان اس مظلوم ردا کے ساتھ ظالم جادوگرنی جیسا سلوک کر رہی ہوں گی۔"

"تم...... تم‘ مجھے گھر سے بھگا رہے ہو؟ اب نہیں ٹھہروں گی میں یہاں پر۔ قطعی نہیں ٹھہروں گی۔" اطروبہ نے نمکین پستوں سے بھری پلیٹ ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے تم برا مان گئیں ڈیئر! میں مذاق کر رہا تھا۔"

حسن ہنستا ہوا اس کی طرف بڑھا لیکن وہ اسے دھکا دے کر آگے بڑھ گئی۔

"اطروبہ...... یار میں مذاق کر رہا تھا۔ خدا کی قسم مذاق کر رہا تھا۔"

"تم ردا کی وجہ سے مجھے ہرٹ کر رہے ہو۔ دیکھتی ہوں‘ تمہاری سفارش دادی جان سے کون کرتا ہے؟"

"ابھی سے نند بھاوج والی جیلسی شروع ہوگئی؟"

"میں کیوں جلوں؟ جلیں میرے دشمن۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر سوٹ کیس اٹھا لیا۔ حسن اس کی سنجیدگی دیکھ کر حقیقتاً بوکھلا گیا حالانکہ وہ مذاق کر رہا تھا۔

"تم اتنی کند ذہن کب سے ہوگئیں کہ مذاق بھی نہیں سمجھتیں۔ چلو میں تمہیں پزا کھلا کر لاؤں اور کافی بھی پلواؤں گا۔" اس نے سوٹ کیس اس سے لے کر بیڈ کے نیچے رکھتے ہوئے بھرپور انداز میں منت سماجت کی۔

"آئس کریم کھلاؤ گے اور شاپنگ بھی کروانی پڑے گی۔"

"اتنے سرد موسم میں آئس کریم؟ اچھا...... اچھا تمہیں پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ شاپنگ بھی کروا دوں گا۔"

"اچھا نہیں جاتی‘ کیا یاد کرو گے میری سخاوت کو۔"

❖❖❖

چمکتے چاند سے چہروں کا اعتبار نہ کر
سبق ملا ہے‘ بہت سے فریب کھا کے مجھے

"آج کیا ہوا ہے‘ جو شعر پہ شعر پڑھ رہے ہو؟" اطروبہ نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے حیرانی ظاہر کی۔

"ایک مذاق کی کتنی بڑی سزا دی ہے تم نے۔ اللہ ایسی ظالم بہن کسی غریب بھائی کو نہ دے۔" کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے مصنوعی آہیں بھریں۔

"میں کون سا جا رہی تھی‘ یہ سب تمہیں پھنسانے کی سازش تھی۔" اطروبہ نے ہنستے ہوئے شرارت سے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر میں تمہیں بدلہ لیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔" حسن موڈ میں تھا۔ اسلام آباد تقریباً اسے گھما ڈالا تھا۔ وہ جو لانگ ڈرائیو کی شوقین تھی‘ خاصی مسروری گھومتی رہی

تھی۔

پزاہٹ سے نکلنے کے بعد اس نے کار ایک بے حد شاندار بنگلے کے گیٹ کے آگے روکی تو وہ چونک کر بول اٹھی۔

"تم تو شاپنگ سینٹر چل رہے تھے۔ یہ کہاں آ گئے ہو؟"

"ان چند گھنٹوں میں تم نے میری تمام پاکٹ منی ہڑپ کر ڈالی ہے۔ کار میں پیٹرول ختم ہونے والا ہے اور تمہیں ابھی شاپنگ بھی کروانی ہے۔ یہ گھر باہر سے بڑا شاندار لگ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے' یہاں کے مکین مجھ مجبور اور لاچار پر ترس کھا کر کچھ مالی امداد فراہم کر دیں۔" حسن نے کار سے نکلتے ہوئے خالص فقیرانہ لہجے میں پریشان کن انداز میں کہا۔

"اوہ' یعنی تم ان لوگوں کو نہیں جانتے؟ اور تمہارے پاس روپے ختم ہو گئے ہیں؟ لیکن یہ کس طرح ممکن ہے؟ نہیں..... نہیں..... شاید تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو؟" اسے یقین نہ آیا پھر اس کی عادت جانتے ہوئے سمجھ گئی کہ وہ اسے احمق بنا رہا ہے۔

"ارے نہیں۔ تمہیں اب بنانے کی ضرورت نہیں۔ تم مکمل بنی بنائی ہو۔" اس نے باہر نکل کر دروازہ بند کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"حسن کے بچے! باز آ جاؤ ورنہ۔"

"آہ..... ہا! حسن کے بچے تو ابھی دنیا میں آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن ظالم سماج کو خیال ہی کب ہے؟ اچھا تم بیٹھی رہو۔ میں پانچ منٹ میں آیا۔" وہ پھرتی سے گیٹ کھول کر اندر بڑھ گیا۔ وہ اس کی بکواس پر زیر لب مسکراتی اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ پانچ منٹ بعد گیٹ کھلا تو حسن کے بجائے آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔ وائٹ شلوار سوٹ' سیاہ جیکٹ میں ملبوس' سیاہ لیدر کی مردانہ سینڈل پہنے وہ اس کی طرف سرعت سے آیا تھا۔

"اندر چلیں۔" اس نے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔ "وہ..... حسن۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔ لیکن چہرے پر سرد مہری و سنجیدگی کی اتنی دبیز تہیں چڑھی تھیں کہ وہ خواہ مخواہ ہی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔

"وہ اندر ہے۔ آیئے۔" وہ اس کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ محسوس کر کے چہرے پر دھیمی سی مسکان سجا کر اس انداز میں مخاطب ہوا کہ وہ گرین کشمیری کڑھائی والی چادر سر پر ڈالتے ہوئے باہر نکل آئی۔ اس نے چوکیدار کو کچھ کار کے بارے میں ہدایت دی اور قدم آگے بڑھا دیئے۔ وہ اس سے دو قدم پیچھے چل رہی تھی۔ خوب صورت پھولوں سے مہکتا وسیع لان عبور کر کے وہ اس کی ہمراہی میں چپس ماربل کا برآمدہ عبور کرنے کے بعد راہداری اور لاؤنج سے گزر کر لونگ روم میں پہنچی تھی۔ سامنے صوفے پر بیٹھے حسن کو دیکھ کر اس کی سانسیں کچھ بحال ہوئیں۔ چہرے کی حواس باختگی میں بھی کچھ واضح کمی آئی۔

"اطروبہ! تم ہی گواہی دو' یہ صاحب مان ہی نہیں رہے کہ ہمیں امداد کی ضرورت ہے۔ میں نے کہہ دیا اگر میری باتوں کا آپ کو یقین نہیں آ رہا تو باہر میری سسٹر بیٹھی ہے' وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے کیونکہ مجھے تو صرف دو گیلن پیٹرول کے پیسے چاہئیں مگر اس غریب کو تو اہل کراچی کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔ وہ خالی ہاتھ گئی تو کیا بولیں گے لوگ؟ خالہ کے گھر گئی تھی' کچھ نہیں لائی۔ لانے والے تو حج سے واپسی پر بھی گفٹس لے آتے ہیں۔ دیکھ لو تمہاری خاطر کیا کیا سہنا پڑ رہا ہے۔ یہ صاحب کہنے لگے' میں جا کر تمہاری سسٹر سے معلوم کرتا ہوں۔ اگر شاپنگ والی بات درست ہے تو میں دس پانچ روپے کی مدد کر دوں گا۔" حسب عادت حسن کی زبان روانی سے چل رہی تھی۔ وہ ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"پلیز' اسٹاپ اٹ۔ کبھی تو سیریس بھی رہا کرو یار۔" گوزیل خلاف عادت ہنس کر اس سے مخاطب ہوا۔ اور انکار کے باوجود ملازمہ کو کافی لانے کا آرڈر دیا۔

"یہ میری کزن ہے' کراچی سے آئی ہے' اطروبہ فرحان..... اطروبہ! یہ گوزیل فراز ہے۔ یہاں کی سب سے بڑی انڈسٹریز کا مالک۔ گوزیل سے دوستی چند ماہ قبل

ایک بزنس ٹرپ کے دوران ہوئی ہے لیکن پرسوں تمہیں گھر پر ڈراپ کر کے جو احسان اس نے مجھ پر کیا ہے اس احسان کا بدلہ میں تاحیات نہیں اتار سکوں گا۔'' کھلنڈرے اور شوخ حسن کے چہرے پر اس وقت اتنی متانت و سنجیدگی تھی کہ وہ حیرات سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔ اس جیسا بندہ بھی ذمے دار اور احساس رکھنے والا ہے۔

''اونو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ سب اتفاق تھا لیکن غلطی تمہاری ہے۔ تمہیں اپنے گیسٹ کا خیال رکھنا چاہیے۔'' اس نے اچٹتی سی نگاہ اطروبہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آپ سے حسن کی دوستی ہے۔ اسے جانتے بھی ہیں پھر آپ نے انکل کو جاننے سے انکار کیوں کیا تھا؟'' اس دن کی اس کی ڈانٹ پھٹکار یاد آئی تو وہ شکایتی انداز میں بولی۔

''اس وقت تو واقعی میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ جب کار اتفاقاً وہاں رکی تو مجھے یاد آیا تھا۔''

''پھر موصوف نے مجھے فون پر خوب ڈانٹا تھا۔'' حسن نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

ملازمہ کافی کے ساتھ دوسرے لوازمات بھی لے آئی اور انہیں سرو کر کے چلی گئی۔ وہ خشک مزاج و غصیلا شخص بلا کا مہمان نواز ثابت ہوا تھا۔ از حد اصرار سے انہیں کھلایا تھا۔ شائستگی' اپنائیت' خلوص' اس کی شخصیت کے مخفی پہلو اب ظاہر ہوئے تھے۔ وہ ایک پراسرار شخص تھا' اپنے اندر ہزاروں اسرار چھپائے ہوئے۔ اس کے ہر اسرار میں ایک جاذبیت تھی۔

ایک متاثر کرنے والی سحر انگیزی' مانوس سی شگفتگی۔ ایسے ہی جیسے کوئی چشمہ بنجر زمین کے سینے سے پھوٹ کر گل و گلزار کھلا دے۔

وہ بلا ارادہ اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

حسن اس کے ساتھ بزنس کے کسی اہم پہلو پر ڈسکس میں مصروف تھا۔

وہ کافی سپ کرتی وسیع اور از حد اسٹائلش انداز میں ڈیکوریٹڈ لونگ روم کا جائزہ لے رہی تھی۔

''اطروبہ! ہیلو' کہاں کھو گئیں؟ دادی جان یاد آ رہی ہیں؟ ہاں میں بھی جب کسی پرسکون و خاموش ماحول میں بیٹھتا ہوں تو نانی جان مجھے ضرور یاد آتی ہیں۔'' حسن اسے خاموش سوچوں میں گم دیکھ کر اسٹارٹ لے چکا تھا۔

''کہیں تو بکواس کرنے سے باز رہا کرو۔'' گوزیل کی گہری مسکراہٹ نے اسے خجل کر ڈالا تھا۔

''او کے' میڈم' باز آ گیا۔ تم ابھی یہاں میرا انتظار کرو۔ میں دس منٹ میں آتا ہوں۔ مجھے انٹرنیٹ پر کچھ ضروری کام ہے۔'' وہ گوزیل کے بیڈ روم کی طرف بڑھتا ہوا گویا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد وہاں مکمل خاموشی چھا گئی۔ وہ نگاہیں جھکائے اپنے ناخنوں کو دیکھنے لگی۔ گاہے بگاہے اس کی نگاہیں وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ پرشوق و پرتپش نگاہیں جن کا انداز لفظوں کا محتاج نہ تھا۔

''آپ' بور ہو رہی ہیں۔ چلیے میں آپ کو لائبریری دکھاتا ہوں۔'' اس کی خاموشی سے تنگ آ کر یکدم ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اطروبہ بھی اٹھ گئی۔ وہ خود اس خاموشی سے کنفیوژ ہو رہی تھی۔

''آپ یہاں تنہا رہتے ہیں؟'' چلتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

''نہیں۔ ممی اور پھپھو بھی ہیں۔ ممی آج اپنی فرینڈ سے ملنے گئی ہیں۔'' اس نے دانستہ پھپھو کی گھر میں موجودگی کا ذکر گول کر ڈالا تھا کیونکہ یہاں سے وہ ٹاپک شروع ہو جاتا جو اسے اپنی شہ رگ کچلتا ہوا محسوس ہوتا لیکن بعض اوقات تقدیر بھی ایسی شرارت کرتی ہے جو انسان کو اذیت سے دوچار کر ڈالتی ہے۔ پھپھو کی موجودگی اس نے نہیں بتائی تھی مگر لائبریری روم سے پہلے پڑتے لاؤنج میں نیم اندھیرا کیے ٹیلی ویژن پر کوئی پلے دیکھتی پھپھو پر دونوں کی نگاہیں بیک وقت پڑی تھیں۔ گوزیل نے اضطرابی طور پر فوراً مڑ کر اطروبہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جو اپنی دھن میں اس کے پیچھے آ رہی تھی' یکلخت اپنے سامنے بالکل دبلی' پتلی' لاغری ہستی کو

دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے۔
نیم تاریک کمرے میں اسکرین کی رنگ برنگی روشنیوں کے عکس کے اندر چمکتا' ماند پڑتا وہ چہرہ تھا تو انسانی چہرہ لیکن بلا کا افسردہ۔
قبل اس کے کہ وہ غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹتی' گوزیل تیزی سے آگے بڑھ کر اس کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے آیا تھا۔ فرش پر کارپٹ کے باعث وہاں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی۔ اس دوسری افتاد پر اس کا دم گھٹ کر رہ گیا۔ آنکھیں حلقوں سے ابل آئیں۔
"آئی ایم سوری۔ میں اپنے اس فعل پر بہت شرمندہ ہوں لیکن پھپھو کی محویت وانہماک اگر آپ کی گھبراہٹ سے نوٹ جاتا تو اس سے ملنے والی اذیت کو تا حیات بھول نہیں پاتا۔"
لونگ روم میں آ کر اس کے بازو کو اپنی گرفت سے آزاد کر کے وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہی مخصوص سرد مہری و خشونت چھا گئی تھی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس شخص میں شائستہ و مہذب اطوار موجود ہیں۔
وہ معافی کا خواستگار تھا لیکن لگ نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے اس وحشیانہ طرز عمل پر شرمندہ ہے۔ اطروبہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے اپنے بے ترتیب سانسوں اور پوری رفتار سے دھڑکتے دل پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔
"وہ..... وہ؟"
"پھپھو ہیں۔" اس کے بوکھلائے لہجے کو قطع کر کے وہ سرد و سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔ اس کے لہجے میں یکدم ہی در آنے والے کھردرے پن اور اجنبیت نے مزید اسے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں دی۔ وہ اپنی ازلی روش پر آ چکا تھا۔ سرد مہر' بیگانہ' لاپرواہ بے نیاز۔
حسن اپنا کام مکمل کر کے اسی لمحے آ گیا۔
"حسن! چلو۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔
"ہاں۔ چل رہے ہیں۔" وہ گوزیل فراز کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ وہ انہیں خدا حافظ کہنے کار تک آیا تھا۔
حسن نے اپنے لاابالی انداز میں گوزیل کے سپاٹ انداز کو محسوس نہیں کیا تھا لیکن اطروبہ نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس کے لہجے سے وہ گرمجوشی و سرخوشی یکدم مفقود ہو گئی تھی۔ وسیع شفاف پیشانی پر محسوس کی جانے والی شکنیں ابھر آئی تھیں۔
اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے ایک نگاہ بھی اطروبہ پر نہیں ڈالی تھی۔

❖❖❖

خالہ صابرہ اسکول کی چھٹیوں کے باعث فارغ تھیں پھر ایک ہفتہ ان کی سنگت میں بہت خوشگوار گزرا۔ انہوں نے جی بھر کر اسے سیریں کروائیں' شاپنگ کروائی' اس تمام عرصے میں گوزیل فراز کا سایہ گویا اس کی سوچوں کے ساتھ ساتھ رہا۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی' اس کے خیالوں سے چھٹکارا پانے کی۔ اس کے متعلق سوچوں کے بھنور میں نہ ڈوبنے کی۔
مگر سب بے سود۔
کچھ جذبے اتنے زور آور اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ ان کو پذیرائی نہ ملے' انہیں خوش آمدید نہ کہا جائے' وہ ناپسند کیے جائیں تو وہ ہٹ دھرمی سے زبردستی اندر گھس آتے ہیں اور اپنا آپ منوا کر ہی چھوڑتے ہیں۔
اطروبہ فرحان بھی اپنے دل کے انکشاف پر ششدر رہ گئی تھی۔
دل اس شخص کی چاہ میں دھڑکنوں کی دھن بدل بیٹھا تھا جو بہت سارے خولوں میں مقید تھا' کسی سربستہ راز کی طرح۔
جس کی شخصیت کے کئی اسرار تھے۔
جو ہمہ وقت پرتیں بدلتے رہتے تھے۔
اس نے دل کو بہت سرزنش کی' بہت سمجھایا اور اسی ادھیڑ بن میں وہ کراچی آ گئی۔ وہ کوئی دل پھینک یا سطحی جذباتی لڑکی نہیں تھی۔ وہ تو بہت عام سی بلکہ وقتی مصلحتوں سے بے خبر' حالات کی پیچیدگیوں سے بے نیاز' قدرے بے وقوف

مگر انداز طبیعت کی لڑکی تھی جو ہر ایک کی عزت کرنا' ہمدردی خدمت کرنا جس کی سرشت میں شامل تھا۔ کراچی آ کر اپنے دل کے پاگل پن کو درست کرنے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ دادی جان کی موجودگی میں زندگی ویسے بھی بھاگنے' دوڑنے لگتی تھی' تیز تیز' پوری رفتار سے بلا لڑکھڑاہٹ کے۔

دل کی بغاوت دم توڑ چکی تھی لیکن اس کے اندر خاموشی و بردباری نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ شوخی و شرارتیں' شاپنگ کا کریز' آؤٹنگ' لانگ ڈرائیو سارے شوق مرجھا گئے تھے۔

"اطروبہ! اے منی' کیا سو گئیں؟" دادی جان نے تیسری مرتبہ پکارا۔

"کیا ہے دادی جان! اس وقت مجھے کہاں نیند آتی ہے۔" اطروبہ جو ناول پڑھنے میں مگن تھی' ان کی تیسری آواز پر چونک کر بولی۔

"میں کب سے پکار رہی ہوں؟ کیا منہ میں گھنگیاں ڈالے بیٹھی تھیں۔" حسب معمول ان کا پارہ ہائی ڈگری کراس کر گیا۔ اطروبہ ناول بیڈ پر رکھ کر ان کے قریب آ کر پوچھنے لگی۔ "کیا کام ہے؟"

"سر میں بہت زیادہ کھجلی ہو رہی ہے۔ ذرا دیکھنا کوئی جوں ووں تو نہیں چڑھ گئی۔"

"وہم ہے آپ کو دادی جان! آپ کے سر میں بھلا کس کی جوں چڑھے گی؟"

"میرا ذرا سا کام کرتے ہوئے موت آتی ہے' نامعلوم کیسی نابنجار پود اٹھ رہی ہے آج کل کی۔ دیدوں کا پانی مر گیا ہے۔ مروت تو باقی ہی نہیں رہی۔"

"دادی جان! دیکھ تو رہی ہوں۔" قبل اس کے کہ ان کا لیکچر طویل ہوتا' وہ تیزی سے ان کے پیچھے بیٹھ کر بال سلجھانے لگی۔

"دادی جان! نہیں ہیں۔" آدھا گھنٹہ ایک ایک بال دیکھنے کے باوجود جوں نہیں ملی تو آہستگی سے گویا ہوئی۔

"ملے گی کیسے؟ دیدے تو تمہارے اپنی کتاب میں لگے ہوئے ہیں۔"

"اتنے غور غور سے تو دیکھ رہی ہوں۔" وہ پھر ان کے سر پر جھک گئی۔

"اوہو شکار ہو رہا ہے؟ واہ بھئی! یہ لڑکیاں بھی کتنی چالاک ہوتی ہیں۔ جب دل چاہا' سر پکڑا اور جوؤں کا شکار کرنا شروع کر دیا۔ ایک ہم بدنصیب جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔" معاً پردہ ہٹا کر حسن سفری بیگ اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اسے جوئیں دیکھتے دیکھ کر شرارتاً گویا ہوا۔

"ارے یہ کیا؟ اتنی دور سے آئے ہو نہ سلام نہ دعا۔ اونٹ کی طرح گردن اٹھائے بک بک کرتے ہوئے داخل ہوئے ہو۔" دادی جان نے حسب عادت غصے سے کہا۔

"میں نے گیٹ سے گھستے ہی سلام کیا تھا۔ آپ نے نہیں سنا۔ یہ آپ کی غلطی ہے۔" وہ بیگ وہیں پٹخ کر ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹتا ہوا مزے سے بولا۔

"صاف بول' بہری ہو گئی ہوں' کان پھوٹ گئے ہیں میرے۔"

"اللہ میری توبہ' میں ایسی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔

"بس۔ بس' میں سب جانتی ہوں تمہاری توبہ۔ تم ابھی پچھلے ہفتے تو گئے تھے' اب پھر کیوں آ گئے؟" وہ کوئی بات' کوئی تاثر فوراً ظاہر کر دینے کی عادی تھیں۔

"اچھا' میرا آنا برا لگا ہے آپ کو؟ میں جا رہا ہوں' نامعلوم کیسی نانی ہیں آپ۔" وہ مصنوعی خفگی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ارے چل' مجھے نہ بنا' میں تیری ماں نہیں ہوں جو تیری باتوں اور حرکتوں پر بوکھلا جاؤں گی۔ چل سیدھی طرح بیٹھ یہاں پر نہیں تو دونگا دوں گی۔"

"اگر اس قدر خلوص سے اصرار کر رہی ہیں تو رک جاتا ہوں ورنہ رکنے والا نہیں تھا میں۔"

"خالہ کیسی ہیں؟ خالو بزنس ٹور سے واپس آئے کہ نہیں۔" اطروبہ نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔ ورنہ

وہ دادی جان کو یوں ہی غصہ دلاتا رہتا۔
"ممی تو ویسی ہی ہیں جیسی تم چھوڑ کر آئی تھیں' پپا ابھی نہیں آئے۔"
"تمہارا باپ ہر وقت گھر سے دور رہتا ہے۔ کہیں اس نے دوسری شادی تو نہیں کر رکھی؟ میری بچی کو بہلا کر چلا جاتا ہے کہ کاروبار کے سلسلے میں جا رہا ہے۔" دادی جان کو نیا خیال سوجھا تھا۔
"پہلی سے بچنے کے لیے ملکوں ملکوں گھومتے رہتے ہیں۔ دوسری کا تو سوچ بھی نہیں سکتے۔"
"ہاں۔ تجھے معلوم ہے جیسے؟" چل اٹھ منی' بچے کے لیے چائے بنا کر لا۔ بہو بیگم کو تو فرصت ہی نہیں کہ آ کر دیکھ لیں' گھر میں کون آیا ہے؟ ان کے دل کے اور باورچی خانے کے دروازے صرف میکے والوں کے لیے کھلے رہتے ہیں۔"
قبل اس کے کہ اطروبہ کمرے سے نکلتی ردا ٹرالی بھر کر لوازمات و چائے لے کر اندر آئی۔
"مبارک ہو نانی جان! آج سے کچن کے دروازے ہم پر بھی وا ہو گئے۔ واہ دل خوش کر ڈالا ردا بی بی' گرم گرم پکوڑے' چکن سینڈوچ' پائن ایپل کیک اور چائے' ہائے ساری میری پسندیدہ چیزیں۔ اللہ تمہارے سہرے کے پھول جلد از جلد کھلائے مجھ جیسا چاند سا دولہا دے۔" اس نے شرمائی شرمائی مسکراتی ردا کو ذومعنی دعائیں دیں۔

❖❖❖

"منی! کیا بات ہے؟ بہت خاموش خاموش رہنے لگی ہو؟" عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہ ٹیرس پر آ گئی تھی جہاں پورے چاند کی فسوں خیز چاندنی میں عجیب سی کشش تھی۔ جو روح کو صدیوں پرانے کسی طلسماتی ماحول کی طرف کھینچ رہی تھی۔ جہاں کھنڈرات چاندنی میں عجیب سے پراسرار پرسوز راگ الاپ رہے تھے۔
"شٹ اپ' مجھے "منی" صرف دادی جان کہہ سکتی ہیں۔" وہ ماحول کے طلسم سے نکل کر تیزی سے بولی۔ حسن آرام سے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اوکے' اس وقت جھگڑا نہیں ہوگا۔ میں تم سے ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" اس کے چہرے اور لہجے سے ابھرتی سنجیدگی دیکھ کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے نا؟"
"نہیں' خیریت ہی تو نہیں ہے۔" اس کی سنجیدگی اور گہری ہو گئی۔
"کیا..... کیا ہوا؟"
"تم۔ تم وہاں سے اتنی بڑی چوری کر کے آ گئیں اور مجھے بتایا بھی نہیں؟"
"چو..... چور' چوری اور میں؟" وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔
"بیٹھ جاؤ۔ بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔" اس نے ڈپٹ کر کہا۔
"میں..... میں کیوں بھاگوں گی' میں نے کوئی چوری نہیں کی۔ تم جھوٹ بول رہے ہو نا بلکہ مذاق کر رہے ہو۔" اس کے انداز پر وہ روہانسی ہو گئی۔
"اس وقت میں بالکل سیریس ہوں' کوئی مذاق کا موڈ نہیں ہے۔"
"کیا چوری کیا ہے میں نے' بتاؤ؟" اس کے موٹے موٹے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔
"روؤ مت۔ تم نے بہت بے عزتی کروائی ہے میری۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا' تم ایسا کر سکتی ہو۔"
"میں نے کیا کیا ہے؟ کیوں الزام لگا رہے ہو؟ تم ایسے ہو گے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" اس نے باقاعدہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ حسن کا لہجہ ہی اتنا سخت تھا کہ وہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔
"تم نے کیا کیا ہے؟ لو خود معلوم کرو۔" اس نے جیب سے موبائل نکال کر کسی سے کال ملائی تھی۔ کال ملاتے وقت وہ دانستہ دور چلا گیا تھا۔ لائن کلیئر ہونے پر موبائل اس کے ہاتھ میں پکڑا کر بولا۔
"یہ کون؟" بہتے آنسوؤں کے درمیان اس نے حیرات سے دریافت کیا۔

"خود معلوم کرو۔" وہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"ہیلو..... ہیلو۔ اطروبہ!" دوسری طرف سے آنے والی آواز نے لمحے بھر کو اسے گنگ کر ڈالا۔ کرخت و سرد آواز میں اس سے کچھ ایسی بے قراری و ملائمت تھی کہ اسے اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان ہونے لگا۔

"ہیلو..... ہیلو اطروبہ..... گوزیل اسپیکنگ۔" آواز دوبارہ گونجی تھی۔

"جی۔ بول رہی ہوں۔" دھڑکنوں میں ارتعاش بے معنی نہ تھا۔

"تھینکس گارڈ' اتنی دیر لگاتی ہیں' آپ کال ریسیو کرنے میں؟ میں سمجھا' آپ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہ رہیں؟" دوسری سمت شگفتگی و طمانیت لہجے سے ہویدا ہوئی۔

"سوری۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل حسن نے مجھے ڈسٹرب کردیا ہے۔ اس وجہ سے میں بہت اپ سیٹ ہوں۔"

"کیا کیا ہے اس نے؟"

"کچھ نہیں۔ اس کی عادت ہی ایسی ہے۔" وہ بتا کر پچھتائی۔

"آپ غیریت برت رہی ہیں؟"

"نہیں۔ وہ..... کہہ رہا ہے' میں وہاں سے کوئی قیمتی چیز چرا کر لائی ہوں۔ اور....." اس کی آواز پر پھر آنسو غالب آنے لگے۔ "میں نے اس کی انسلٹ کروائی ہے پھر اس نے آپ سے کال ملا کر دی اور کہا کہ خود معلوم کرلوں۔"

دوسری طرف سے بے ساختہ ابھرنے والے زوردار قہقہے نے اسے ہونق بنا ڈالا۔

"آپ ہنس رہے ہیں؟ میں نے تو ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔"

"حسن بہت زبردست ایکٹر ہے' میں مان گیا۔ آپ نے چوری تو کی ہے۔ حسن درست کہہ رہا ہے' میں نے ہی اس سے کہا ہے۔" دوسری طرف سے خاصے مسرور اور معنی خیز لہجے میں کہا گیا۔

"جی..... ای' آپ؟" وہ عجیب بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"اطروبہ! اس دن جو ہوا' اس کا احساس مجھے ہے کہ آپ کے ساتھ میں از حد زیادتی کر بیٹھا تھا لیکن اللہ گواہ ہے' وہ ایک بے اختیار و بے ساختہ اضطرابی حرکت تھی۔ میرا مقصد آپ کو تکلیف دینا یا انسلٹ کرنا نہیں تھا۔"

"نہیں' نہیں۔ آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں۔ اس دن مجھ سے ہی مس بی ہیو ہوا تھا۔ مجھے خود پر کنٹرول رکھنا چاہیئے تھا۔ مگر۔"

"اوکے' کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔ فی الحال تو آپ سے اجازت لینی تھی۔"

"اجازت' کس بات کی؟"

"میں ممی کو آپ کے یہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ جو میرا سکھ' چین' سکون چرا کر لے گئی ہیں' وہ آپ کی صورت میں مجھے ہمیشہ کے لیے مل جائے۔" دوسری طرف سے خاصے بے ہنگم انداز میں اسے پرپوز کیا گیا تھا۔ اس انوکھے اور غیر متوقع انداز پر وہ شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئی۔ وہ سرد مزاج' تیکھے چتون' از حد بے نیاز اور لیے دیئے انداز میں رہنے والا شخص بھلا یہ مہکا مہکا' چاشنی سے لبریز لہجہ' اتنی جلد بالکل سادہ انداز میں اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔ عام مردوں کی طرح اظہار محبت نہیں کیا تھا۔

نہ ہی ملاقاتوں پر اصرار۔

نہ ہی بے قراریوں اور رتجگوں کا بیان۔

وہ جتنا باہر سے پروقار و سنجیدہ نظر آتا تھا' اتنا ہی اندر سے مضبوط تھا۔ اس کے اندر کچھ ایسی افراتفری پھیلی تھی کہ وہ منتشر دھڑکنوں کو سمیٹنے کی جستجو میں لگ گئی تھی۔

"اطروبہ..... اطروبہ!" دوسری طرف سے پریشان کن آواز ابھری۔

"جی۔" اس کے ہونٹوں سے نکلا' اپنا نام اسے نئے سرور سے دوچار کر گیا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟ میں ممی کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ شخص جس کے لیے دھڑکنوں کا انداز پہلی بار بدلا تھا۔ جو بلا اجازت دل کے اندر بے دھڑک آ کر قابض ہو گیا تھا۔

شرم و حیا' نسوانیت کا وقار۔ دوشیزگی کی لاج' ذات کا افتخار اسے اقرار کرنے پر پابند تھا۔ وہ جس ماحول میں شعور کو پہنچی تھی' وہاں اس طرح کی باتوں کا رواج بھی نہ تھا۔ پھر وہ کس طرح ہاں کہہ سکتی تھی۔ لیکن لہجے کسی خوف' حیا' ماحول کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ اندر کی کیفیت' دل کی چوری اور منشا کو ظاہر کر ڈالتے ہیں۔

گوزیل فراز نے بھی اس کی شرمیلی حیا سے کانپتی آواز کے زیر و بم سے اس کی ہاں پالی تھی۔

"اوہ۔ آپ شرما رہی ہیں شاید؟ ویری امیزنگ۔ اس دور میں بھی ابھی خالص شرم و حیا باقی ہے' جب کہ اب لڑکیاں بے باکی میں ہم سے کافی آگے نکل گئی ہیں۔ میرا آئیڈیل مجھے مل گیا ہے۔"

"میری جان! عجوبے ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔" پیچھے سے اچانک حسن نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر ہنستے ہوئے بات جاری رکھی۔

"صرف دریافت کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔" نہ معلوم وہ کس لمحے اس کی پشت پر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اس قدر حواس باختہ تھی کہ اس کی آمد بھی محسوس نہ کر سکی تھی۔

"کچھ خوف بل کرو برادر! اس ماہ کا تمام بزنس پرافٹ تم بل مینجمنٹ کرنے میں ہی لگا دو گے؟ ہاں۔ ہاں تم آنٹی کو ممی کے پاس بھیج دو۔ میں یہاں نانی جان کو کنوینس کر کے ہی آؤں گا۔"

"شکریے کی کوئی بات نہیں ہے یار! چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اس کے بعد میرا راستہ بھی صاف ہوگا۔ ہاہاہا...... گڈ' اوکے' اللہ حافظ۔"

دوسری طرف سے نہ معلوم کیا کہا گیا تھا۔ حسن نے بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے موبائل اپنی جیب میں رکھ لیا۔

❖❖❖

"اماں! حسن کہاں ہے؟ میں نے اس کے لیے گاجر کا حلوہ بنایا ہے۔" چھوٹی بہو زاہدہ بیگم کمرے میں آ کر ان سے مخاطب ہوئیں جو اطروبہ سے اخبار سننے میں مصروف تھیں' جب کہ حسن باتھ روم میں تھا۔

"اللہ تیری شان! آج میرے نواسے کے کیسے بھاگ جاگ گئے؟ کبھی منہ نہ لگانے والی ممانی صاحبہ گاجر کا حلوہ بنا کر کھلا رہی ہیں۔ ہاں بھئی' بیٹی جوان ہو گئی ہے۔ میکے میں تو کوئی لائق و فائق ہونہار سپوت ہے نہیں۔ سارے نکھٹو' حرام ہیں۔ بیٹی بیاہنے کے لیے تو ایسی خاطر داریاں' چاؤ چونچلے اٹھانے ہی ہوں گے۔ لیکن بہو! میں اتنی آسانی سے پکا ہوا پھل تمہاری جھولی میں نہیں گرنے دوں گی۔"

"اماں! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ میرا یہ مقصد نہیں ہے۔"

"سب جانتی ہوں میں' لیکن تمہارے ارمان بھی پورے نہیں ہونے دوں گی۔ ساری زندگی میرے بیٹے کی کمائی لٹائی میکے والوں پر' اب وقت آیا تو نند اور اس کا بیٹا نظر آیا ہے۔ بیٹیوں کی ماؤں کو سب سے بنا کر رکھنی چاہیے۔ بیٹیاں جوان ہونے پر آؤ بھگت دکھاوا ہوتی ہے نرا ڈھکوسلہ۔"

"دادی جان! ممانی تو بہت اچھی ہیں۔ اس طرح تو نہ کہیں۔" اطروبہ نے حمایت لی۔

"اری تو چپ رہ' ممانی کی مریدنی! سب جانتی ہوں میں' اس چلتر باز عورت کی چلتر بازیاں۔ پہلے میرے بیٹے کو مجھ سے چھینا۔ اب نواسے پر نظر رکھی ہوئی ہے۔" دادی جان پوری طرح لڑنے کے موڈ میں آ چکی تھیں۔ چھوٹی بہو کے مزاج بھی بگڑنے لگے۔

"آپ کا کوئی دین مذہب بھی ہے؟ اگر آپ کے مہمانوں کی خاطر مدارات نہ کرو تو میرے میکے والوں کو کوستی ہیں جب خیال رکھو تو پھر بھی آپ کو سکون نہیں ملتا۔"

"اری ہاں اب تو کافر بھی بنائے گی مجھے؟ لو دیکھو کیسی باتیں کرتی ہے۔"

"دادی جان! پلیز چپ ہو جائیں' ممانی جان! آپ بیٹھیں تو سہی۔"

دونوں ساس بہو کو روبرو آتے دیکھ کر وہ روہانسی ہو کر التجائیں کرنے لگی۔

"یہاں میں تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی۔ نواسہ اتنا عزیز اور پوتیوں کی کوئی قدر ہی نہیں ہے ان کی نگاہوں میں۔ میری بیٹیاں کوئی فالتو یا بوجھ نہیں ہیں۔ سات تالوں میں رکھیں اپنے نواسے کو۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مگر میں کبھی نہیں مانوں گی۔ اگر کبھی آپ نے یا صابرہ نے میری دونوں بیٹیوں میں سے کسی کا رشتہ مانگا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" زاہدہ تنتناتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

"تم سے برا بھلا کوئی ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ اونہہ ماں نے چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں سکھائی۔ کتر کتر سروتے کی طرح زبان چلتی ہے۔ نہ ادب' سلیقہ نہیں۔" ان کے جانے کے بعد بھی ان کی زبان کی روانی برقرار تھی۔

"کیا ہوا پارٹنر۔ یہ ابھی توپوں کی گھن گرج کی آوازیں کہاں سے آ رہی تھیں؟" باتھ روم سے حسن تولیہ سر پر لپیٹے باہر نکلا۔

"ممانی جان نے تمہارے لیے گاجر کا حلوہ بنایا ہے' جا کر کھا لو۔" اطروبہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اے خبردار جو اس جادوگرنی کے ہاتھ کا پکا ہوا کچھ کھایا۔"

"نانی جان! کبھی کبھی تو ایسا سنہرا موقع ملتا ہے ورنہ باورچی کے ہاتھ کا کھانا تو میرا پیٹ ہی خراب کر ڈالتا ہے یہاں آ کر۔" اس نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

❖❖❖

نیم تاریک کمرے میں وہ چیئر پر بیٹھی بیک سے ٹیک لگائے ماضی کے گم گشتہ لمحوں کی گرفت میں پھر مقید ہو کر رہ گئی تھیں۔ بند آنکھوں میں ماضی دوڑنے لگا تھا۔

"آپ! آج جلدی آ گئے؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا رسالہ رکھتے ہوئے مسکرا کر دریافت کیا۔ اس کے چہرے پر مسرت کے رنگ پھیل گئے تھے۔

"کیوں؟ نہیں آنا جلدی؟ اگر تم نے کسی کو ٹائم دے رکھا ہے تو چلا جاتا ہوں۔" اس کے برعکس اس کے چہرے پر کرختگی' لہجے میں شک کے ناگ پھنکار رہے تھے۔

"فیضان! آپ...... آپ ایسی گھٹیا باتیں کیوں کرتے ہیں۔"

"گھٹیا میں ہوں یا تم؟ جو شوہر کے ہوتے ہوئے بھی غیر مرد سے......"

"پلیز...... پلیز خاموش ہو جائیں۔ اماں غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں۔ ابھی ہماری شادی کو ایک ماہ ہوا ہے اور آپ نے فضول شک و شبے میں مسرتوں کو نفرتوں میں بدل ڈالا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اس کو بہلانے کی کوشش کی۔

"اماں کو غلط فہمی تھی' مجھے غلط فہمی ہے۔ پھر یہ لان میں کس کا انتظار ہو رہا ہے؟" وہ نہایت بے دردی سے اسے بازو سے گھسیٹتا کھڑکی تک لایا جہاں سے پڑوسن کا بھائی لان میں کھڑا صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ تنہا تھا اس وقت۔

"فیضی! وہ گھر ہے ان کا۔ وہ اپنے گھر میں کچھ بھی کریں' ہم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔" اس نے بازو چھڑا کر خفگی سے جواب دیا۔

"اماں درست بولتی ہیں۔ تم گھر بسانے والی عورت نہیں ہو۔" فیضان بھنا کر بولا۔

"اماں کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ مجھے خراب سمجھتی ہیں تو کیوں مجھے گھر میں تنہا چھوڑ کر محلے کی سیر کو نکلتی ہیں؟ اگر میں ایسی ہوتی تو وہ ہرگز مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جاتیں۔" رابعہ نے اسے قائل کرنے کے لیے جواز پیش کیا۔

"اماں سیر کو نکلتی ہیں یا تم انہیں گھر میں ٹھہرنے نہیں دیتی ہو؟ اگر اماں گھر میں ٹھہر گئیں تو تم عیاشیاں کیسے کر سکو گی؟ اس لیے میرے آفس جاتے ہی تم انہیں گھر سے لڑ جھگڑ کر نکال دیتی ہو۔ وہ میرے آنے کے وقت گھر میں داخل ہوتی ہیں۔" فیضان از حد بدظن و نالاں دکھائی دے رہا تھا۔

"فیضی' فیضی! خدا کے واسطے ایسے بہتان نہ لگائیے۔"

اماں جھوٹ بولتی ہیں۔'' اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ فیضان کا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑا تھا۔

''خبردار' جو اماں کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔

ساتھ ہی ان کے شانوں پر آہستگی سے دو ہاتھ آ کر ٹکے تھے۔ وہ چونک کر ماضی سے نکلی تھیں۔ مڑ کر دیکھا تو حرا بیگم ستا ہوا چہرہ لے کر کھڑی نظر آئیں۔

''حرا! کیا ہوا؟ تم گوزیل کے رشتے کے سلسلے میں گئی تھیں۔'' ان کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ پریشان کن لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔

''آپا بات تو ہوگئی۔ وہ مان بھی گئی ہیں مگر ''

''مگر۔ مگر کیا؟ کوئی بات ناگوار گزری ہے تمہیں ان کی؟'' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے گویا ہوئیں۔

''نہیں آپا! بظاہر تو لوگ بہت اچھے ہیں' پرخلوص' وضع دار' مروت و اخلاق والے ہیں' میں ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی اور گوزیل کی چوائس پر رشک کر رہی تھی کہ اس نے اعلیٰ خاندان کا انتخاب کیا ہے۔ اطروبہ تو کراچی میں ہے مگر اس کی تصویر میں نے البم میں دیکھی۔ مجھے پہلی ہی نظر میں وہ بھا گئی۔ خوب صورت' سادہ اور معصوم سی صورت ایسی ہی تو بہو میں چاہتی تھی۔ لیکن جب دوسری تصویروں پر میری نظر پڑی تو..... اطروبہ کی نانی کو دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر دھوکے کا گمان گزرا' وہ فیضان کی والدہ ہیں۔''

انہوں نے آخری لفظ اتنی دل گرفتگی سے کہے کہ اندر داخل ہوتے گوزیل کے قدم وہیں رک گئے۔ دل کے اندر کھلے شگوفے یکدم ہی جیسے طوفان کی زد میں آ گئے۔

''فیضان کی والدہ؟ تم نے غور سے دیکھا تھا انہیں؟'' رابعہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی وہ کپکپاہٹ ہی تھی جسے محسوس کر کے گوزیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''ہاں بلکہ میں ان کی تصویر ساتھ لے آئی ہوں۔ دیکھیں' میں نے روبرو تو انہیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ گھر میں موجود البم میں تصویر دیکھی تھی۔'' وہ ہاتھ میں پکڑی تصویر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔ کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے تصویر لے کر دیکھی۔ اور اذیت ناک وقت کے وہ ہولناک لمحات ان کی نگاہوں میں رقص کرنے لگے۔

''میں کہتی ہوں' اس بدذات عورت کو گھر میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی اور اسی وقت اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دے فیضان۔ بے حیائی کی حد ہوگئی۔ دن دہاڑے پڑوسن کے بھائی کے ساتھ گل چھرے اڑاتی پھر رہی ہے کار میں۔''

''ایسا ہی کروں گا اماں۔ یہ گھر میں رکھنے کے قابل نہیں ہے۔''

فیضان نے بریف کیس ایک طرف رکھتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا تھا۔

''فیضان! میری بات سنیں۔ مجھے اماں نے ہی بھیجا تھا۔ اماں کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ انہوں نے ہی کہا تھا' ظفر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ڈاکٹر کو لے آؤں۔'' رابعہ نے اس کے خوف ناک عزائم بھانپ کر منت بھرے لہجے میں کہا۔

''جان گیا ہوں میں تمہیں مکار عورت۔''

''فیضان! میری بات سنیں۔ اللہ کے واسطے' اماں! آپ بھی سچ بتا دیں۔''

''تم بیوی میاں کے معاملے میں بولنے والی میں کون؟ مجھے معاف کرو بی بی۔'' وہ غصے سے کہہ کر دروازہ بند کرتی باہر نکل گئیں۔

اور پھر فیضان نے اماں کا کہا کر دکھایا تھا۔ اسے دھکے دے کر نکال دیا تھا اور دوسرے ہی دن طلاق نامہ بھی بھیج دیا تھا۔ رابعہ کے ذہن میں آخری معرکہ ابھر آیا تھا۔

''اطروبہ ان کی مرحوم بیٹی کی نشانی ہے۔ جس کو انہوں نے بڑی محبت و چاہت سے پالا ہے۔ بچپن سے وہاں رہنے کے باعث اپنے ماموں کے بچوں کو دیکھ کر وہ بھی انہیں نانی کے بجائے دادی کہنے کی عادی ہوگئی ہے۔'' حرا بیگم ان کے احساسات سے بے خبر کہے جا رہی تھیں۔

ایک سرد آہ بھر کر انہوں نے ہاتھ میں پکڑی تصویر کو دیکھا۔ وائٹ چکن کی شال کی اوٹ سے جھانکتے چہرے پر

گزرے ماہ و سال نے خاصی تبدیلی کی گرد ڈال دی تھی۔ اجلا' ستھرا رنگ سنولا گیا تھا۔ کبھی جو جسم صحت منداور توانا ہوا کرتا تھا' اب ہڈیوں میں بدل چکا تھا۔ وہ آنکھیں جن سے ہمہ وقت' مکاری' نفرت و چال بازی اور بغض جھلکتا تھا' اب دبیز شیشوں کی عینک کے پیچھے دھندلی دھندلی نظر آتی تھیں لیکن وہ ایک نگاہ میں پہچان گئی تھیں۔ یہ ہستی صدا ان کے ذہن پر سوار رہی تھی۔

''میں نے آتے وقت اطروبہ کا فوٹو دیکھنے کے لیے البم مانگا تھا۔ کاش میں پہلے ہی مانگ لیتی تو وہاں بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ میں ابھی کال کر کے معذرت کرلوں گی آپا۔ ہمیں ایسے لوگوں سے رشتہ نہیں جوڑنا۔'' حرا بیگم پچھتاووں کی زد میں تھیں۔ فیصلہ کن لہجے میں گویا ہوئیں۔

''نہیں حرا' ہاں کر کے انکار کر دینا وضع دار لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ تم انکار نہیں کروگی۔''

''لیکن آپا' یہ کس طرح ممکن ہے؟'' انہوں نے استعجابیہ انداز میں کہا۔

''میں نے ایک عرصے بعد گوزیل کی آنکھوں میں خوشیوں کے چراغ جلتے دیکھے ہیں۔ کسی لڑکی کی خواہش پہلی مرتبہ اس کے دل میں جاگی ہے۔ وہ اس رشتے سے ازحد مسرور ہے۔ میں اس کی مسرتوں اور امنگوں کو اپنے ماضی کے دکھ کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔ میری زندگی تو گزر گئی' اپنی خاطر اس کی خوشیاں خاک نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ تڑپ کر مضبوط لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''گوزیل کو معلوم ہوگا تو وہ کبھی نہیں مانے گا۔ وہ لڑکی اس کی پسند ہے' وہ اسے چاہتا ہے مگر آپ کی چاہت کے آگے اس کی چاہ کو وہ ٹھوکر مار دے گا۔ وہ آپ سے جس قدر محبت کرتا ہے' اس کا تصور آپ نہیں کرسکتیں۔''

''محبت تو وہ پھول ہے جس کی خوشبو' خود اپنے وجود کا احساس بخشتی ہے پھر بھلا میں کیسے اس احساس سے بے بہرہ رہ سکتی ہوں؟ مجھے معلوم ہے' اس کی چاہت اور تمہاری محبت کا قصہ۔ لیکن محبت ایثار سکھاتی ہے' خودغرض نہیں بناتی' محبت کا جواب محبت ہی ہوتا ہے۔ جن سے محبت کی جاتی ہے' ان کو دکھ دینے کا تصور بھی گناہ ہوتا ہے۔ تمہیں میری قسم ہے حرا! جو اس راز کو تم نے گوزیل پر آشکار کیا۔ وہ خوش رہے گا تو سمجھو میری سانسیں کچھ اور بڑھ جائیں گی۔''

''آپا! یہ آپ نے کیسی قسم دے دی؟ آپ ہماری محبت کو آزما رہی ہیں۔''

''نہیں' تم تو بغیر آزمائے ہی میری ہر آزمائش کی کسوٹی پر کھری نکلی ہو۔ یہ تو میرا وہ مان اور فخر ہے جو میں تم پر کرتی آئی ہوں۔'' انہوں نے حرا بیگم کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسرت سے لبریز لہجے میں کہا۔

''اگلے ماہ سے رمضان المبارک شروع ہوجائیں گے' تم ان سے بات کرو کہ ہم فوراً شادی کریں گے۔ اس بار رمضان ہم گوزیل کی دلہن کے ساتھ گزاریں گے۔''

''آپا! ایک مرتبہ پھر سوچ لیں۔ نہ معلوم کیوں اب دل نہیں مان رہا۔'' حرا بیگم نے ایک مرتبہ پھر انہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن وہ کسی طور ''ہاں'' کو ''ناں'' کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔

گوزیل خاموشی سے پلٹ آیا تھا۔ اس کے دل میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ اتنا شدید طوفان آیا تھا کہ دل کی بستی کو لمحوں میں تہس نہس کر ڈالا تھا۔ وہ اپنے بیڈروم میں آکر بے جان انداز میں اپنے بیڈ پر جیسے گر گیا تھا۔ آفس سے بہت پرمسرت' اپنی بے قراری و بے چینی کو چھپائے وہ گھر آیا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ممی آج اس کا پرپوزل لے کر حسن کے ہاں گئی تھیں۔ اس امر سے تو اسے آگاہی تھی کہ وہاں سے اثبات میں جواب ملے گا۔ حسن پہلے ہی اوکے کا سگنل دے چکا تھا لیکن یہی بات ممی کے منہ سے سننے کا اشتیاق اسے پھپھو کے کمرے تک لے آیا تھا۔ مگر جو حقیقت اس کے کانوں تک پہنچی' وہ کس قدر کڑوی اور ناقابل برداشت تھی۔ اطروبہ' وہ خوابوں کے جزیرے پر رہنے والی' البیلی و سادہ حسن رکھنے والی' کچھ احمق' کچھ معصوم سی لڑکی' جس نے اس کے در دل پر بھرپور دستک دی اور ساعتوں میں سب کچھ لوٹ کر لے گئی۔ اسے پہلی بار دنیا بہت حسین و پربہار

نظر آنے لگی تھی۔ اس کی سنگت میں زندگی کا سفر طویل ہوجانے کی آرزو جاگ اٹھی تھی۔ اب جیسے سارے خواب سراب بن گئے تھے۔ اطروبہ کا تعلق اس کے ان دشمنوں سے تھا جن کو ڈھونڈنے کی سعی تو اس نے بہت کی' مگر ناکام رہا تھا۔ آج کامیابی ملی تو دل کے درد اور خواہشوں کے قتل سے مشروط ہوکر۔

"سوری اطروبہ! تمہاری محبت میں' میں خود سے کیے گئے اس قول سے نہیں پھر سکتا جو میں نے بچپن میں خود سے کیا تھا۔ میں تمہیں اپناؤں گا' ممی اور پھپھو کو ظاہر نہیں ہونے دوں گا کہ میں نے ان کی باتیں سن لی ہیں مگر تمہیں بھی واپس جانا ہوگا' اسی حالت میں' جس حالت میں مظلوم و بے قصور پھپھو میکے کی دہلیز پر آئی تھیں اور گھر میں یکے بعد دیگرے موت کے سناٹے پھیلتے چلے گئے تھے۔"

اس نے تصور میں اطروبہ کو مخاطب کیا پھر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

❖❖❖

"شادی کوئی گڈے' گڑیا کا کھیل تھوڑی ہے جو جھٹ پٹ کر ڈالا' اطروبہ کی ساس کیا ہتھیلی پر سرسوں جمانے چلی ہیں؟ وقت ہی کہاں ہے' یہاں' رمضان کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ وہاں سے شادی کا سندیسہ آ گیا۔" اماں پھپھو کا پیغام سن کر حیرانی سے بولیں جو آج ہی اسلام آباد سے یہاں اپنے شوہر کے ساتھ پہنچی تھیں۔

"آج کل تیاری میں کیا وقت لگتا ہے؟ دو دن میں سب ہوجاتی ہے۔ ہر سامان ریڈی میڈ مل رہا ہے۔ ویسے بھی وہ لوگ جہیز لینے کو منع کررہے ہیں۔" صابرہ بولیں۔

"اعلیٰ اور خاندانی لوگ تو منع کرتے ہی ہیں لیکن دینے والے تو دے کر چھوڑتے ہیں۔ میں اتنی جلدی شادی کرنے کی قائل نہیں ہوں' کم از کم ایک سال تو بات رہے تاکہ معلوم ہو کہ ان لوگوں کے اطوار کیسے ہیں۔"

"اماں! آپ ملی تو ہیں ان سے۔ آپ کو پسند بھی آئی تھیں گوزیل کی والدہ اور گوزیل۔ پھر آپ کو اب کیا شبہ ہے؟ میں تو کہتی ہوں' لوگ بہت اچھے ہیں۔ پھر لڑکا ہیرا ہے۔ خود کا ذاتی بزنس ہے۔ فیملی بھی از حد مختصر ہے۔"

"ہاں' یہ تو درست ہے۔ ماں بیٹے مجھے پسند آئے تھے لیکن میں نے یہ بات محسوس کی تھی۔ اطروبہ کی ساس مجھے اوپری دل سے مسکرا کر باتیں کرتی ہوئی لگ رہی تھیں' جیسے مجبوراً کررہی ہوں اور لڑکے نے تو علاوہ سلام کے مجھ سے کوئی بات ہی نہ کی۔" اماں دل کی خلش زبان پر لے آئی تھیں۔

"آپ' میرے ہاں رکی ہی کتنا تھیں۔ صرف ایک ہفتہ پھر بھی دو مرتبہ ملاقات کی ان سے۔ آپ مجھ پر اعتماد نہیں کررہی ہیں؟ کیا مجھے لوگوں کی پہچان نہیں ہے؟ کیا میں اطروبہ کا برا چاہوں گی؟" صابرہ بیگم سنجیدگی سے مخاطب ہوئیں۔

"نہیں۔ روز اسکول میں نت نئے لوگوں سے ملتی ہو تمہیں پہچان کیوں نہ ہوگی بیٹی۔ جب سے شمسہ والا حادثہ گزرا اور فیضان ساتھ چھوڑ کر گیا۔ تب سے دل واہموں اور اندیشوں میں گھرا رہتا ہے۔ اب مجھ میں مزید طاقت نہیں ہے دکھ برداشت کرنے کی۔" وہ بیٹے کی جدائی اور بیٹی کی موت یاد کرکے رو پڑیں۔

"اماں! وہ زخم تو ہم سب کے دل پر تاحیات تازہ رہیں گے۔ آپ فکر مت کریں' وہ اچھے لوگ ہیں۔" انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اماں کو دلاسا دیا۔

❖❖❖

ضبط غم کتنا ہی کاری ہو مگر
صبر اپنی آبرو کھونے نہ دے
آفتوں میں بھی یقیں کی پختگی
حوصلوں کو منہدم ہونے نہ دے

گوزیل پیلس روشنیوں سے منور جھلمل جھلمل کررہا تھا۔ اطروبہ رخصت ہوکر آچکی تھی۔ صابرہ بیگم کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ حسن، اکلوتی اولاد تھا۔ انہوں نے اطروبہ کو اپنے گھر سے رخصت کیا تھا۔ اماں اس کی جدائی کے دکھ سے مضمحل اور نڈھال تھیں۔

"پھپھو' پھپھو جان!" انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ مسز ڈ

تھری پیس سوٹ میں وہ بہت وجیہہ اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔ ازحد شاندار' اس وقت اسے کمرے میں دیکھ کر وہ پریشان ہوگئیں۔ دھیمی مسکراہٹ میں سوگواری تھی۔ آنکھوں میں حزن وملال۔

"گوزیل! تم یہاں اس وقت؟ تمہیں تو دلہن کے پاس ہونا چاہیے تھا۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے؟ جس چہرے کو آپ نے دیکھنا گوارا نہ کیا' اسے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں؟ اگر آپ اسے دیکھیں گی تو میں اسے دیکھوں گا۔" وہ ان کے قریب آکر ضدی اور ائل لہجے میں گویا ہوا۔

"یہ کیسی بچوں جیسی ضد کررہے ہو؟ تم جاؤ میں صبح دیکھوں گی اسے۔"

"ابھی کیوں نہیں؟ شادی کے تمام فنکشنز سے آپ نے خود کو محروم رکھا' اب بھی آپ نے خود کو قید کررکھا ہے۔ چلیں میرے ساتھ۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑا۔

"آج کی شب میں اپنا منحوس سایہ تمہاری بیوی پر نہیں ڈالنا چاہتی۔ ہاں پھر میرا اس سے کوئی پردہ نہیں ہوگا۔" اس کی ضد سے ہار کر بالآخر انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی جسے سن کر گوزیل کو اپنا دل چرتا ہوا محسوس ہوا۔

"میں آپ کی ایسی کوئی بے معنی دلیل نہیں سنوں گا۔ چلیں آپ میرے ساتھ۔" اس نے ان کی ایک بھی نہ سنی اور زبردستی خوشبوؤں سے مہکتے' پھولوں سے آراستہ اپنے بیڈروم میں لے آیا جہاں وہ گلاب کی لڑیوں کے درمیان بیڈ کے وسط میں زرتار آنچل میں چہرہ چھپائے' گردن جھکائے اس کی منتظر تھی۔

"یہ میری ازحد عزیز و پیاری پھپھو جان ہیں۔ سلام کرو انہیں۔" کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ سنبھل کر بیٹھی ہی تھی کہ معاً گوزیل کی بھاری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ماشاء اللہ۔ تمہاری دلہن بہت خوب صورت ہے۔ بیٹا! یہ مجھے ابھی زبردستی پکڑ کر لایا ہے۔ تمہاری رونمائی کے لیے میں نے گولڈ کا سیٹ منگوایا ہے' وہ صبح دوں گی۔" اس کے سلام کے جواب میں دھیرے سے آنچل ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے وہ محبت سے بولیں۔

"آپ کی آمد تحفے سے بھی قیمتی ہے' پھپھو جان۔" وہ اچٹتی سی نگاہ خاموشی سے چہرہ جھکائے اطروبہ پر ڈالتا ہوا گویا ہوا' جو بنی سنوری قیامت لگ رہی تھی۔ ہمیشہ سادہ رہنے والی آج پہلی بار اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔ اس نے بڑے ضبط کے مراحل طے کر کے نگاہیں چرائی تھیں۔ پھپھو چند منٹ بیٹھ کر چلی گئی تھیں۔ تنہائی ملتے ہی اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

"کپڑے چینج کر کے آؤ۔" وہ پھپھو کے جانے کے بعد جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ خود وائٹ شلوار سوٹ زیب تن کر چکا تھا۔

وہ اس کے خلاف توقع سرد و سپاٹ لہجے پر سن بیٹھی رہ گئی تھی۔

"سنا نہیں تم نے؟ تم سے مخاطب ہوں میں۔" قریب بیٹھ کر سختی سے اس کا شانہ ہلا کر بولا۔

"آ..... آپ..... ناراض ہیں مجھ سے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا اور جواب میں اس کو ایسی سلگتی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ فوراً بھاری بھرکم لہنگا سنبھالتی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا' وہ مذاق تھا جو اس نے فون کال پر اظہار محبت کر کے کیا تھا؟ یا اب وہ اسے ستا رہا تھا۔ جو کچھ بھی تھا' بہت سنگین اور دہشت زدہ کردینے والا تھا۔ وہ پریشان پریشان جلدی جلدی نائٹ سوٹ پہن کر کمرے میں آئی تو کمرے میں نیم اندھیرا کیے اس کو اپنا منتظر پایا۔

❖❖❖

رات کتنی گہری ہو
خواب کی رداؤں پر
چاند ٹانکتے رہنا
اپنا دکھ چھپا کر بھی
سکھ کو بانٹتے رہنا
پیار کے اوائل میں
پیار کی نشانی پر

جو کسی نے دی ہو وہ
کانچ کی ہری چوڑی ٹوٹ بھی اگر جائے
آنسوؤں کو آنکھوں سے
دور ٹالتے رہنا
کچی عمر میں اپنی
ڈائری میں رکھیں جو
تتلیاں گلابی وہ نکالتے رہنا
خود وجود کو اپنے.....
دوسروں کی مرضی کے سنگ ڈھالتے رہنا
لڑکیوں کی فطرت ہے.....! دکھ سنبھالتے رہنا

زندگی بے کشش و بے رنگ ہوگئی تھی۔ اس شخص کے حوالے سے جتنے سہانے سپنے اس نے دیکھے تھے' ان کی تعبیریں بڑی بھیانک اور ڈراؤنی نکلی تھیں۔

شادی کو ایک ہفتہ ہی ہوا تھا اور اس نے بیرونی دنیا سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا تھا۔ نہ وہ کسی سے مل سکتی تھی' اور نہ ہی کوئی اس سے ملنے آتا تھا۔ ولیمے والے دن سب گھر والوں سے آخری ملاقات ہوئی تھی پھر نہ معلوم اس نے کیا چکر باہر کے باہر ہی چلایا تھا کہ کوئی بھی اس سے ملنے نہیں آیا حتیٰ کہ صابرہ خالہ یا حسن نے بھی کال تک نہ کی تھی۔

ایک ہفتے کی خاموش تنہائی نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔

وہ سارے دن گھر سے باہر آفس میں رہتا۔ گھر میں ممی کا رویہ بھی سرد و بیزار کن تھا۔ پھپھو زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتیں۔ ان کے پاس جانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ بولائی بولائی سی وہ ادھر سے ادھر گھومتی' زیادہ دل گھبراتا تو رونے لگتی۔ گوزیل آفس سے واپس آکر زیادہ وقت ماں اور پھپھو کے پاس گزارتا۔ اسے وہ خود تنہائی و خاموشی کی اذیت میں مبتلا رکھتا تھا۔

اس رات اس کی برداشت جواب دے گئی تو وہ بول اٹھی۔

''آخر آپ کس کا انتقام لے رہے ہیں مجھ سے؟ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں؟ آپ کو میری شکل سے نفرت ہے۔ مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے' ممی مجھ سے بیزار رہتی ہیں۔ جب میں اتنی ہی ناقابل برداشت و قابل نفرت تھی تو کیوں مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا؟ میں تنگ آگئی ہوں' یہ تنہائی و خاموشی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔'' وہ بیڈ پر اسے دراز ہوتے دیکھ کر روہانسے لہجے میں بولی۔

''برداشت نہیں ہوتی تو چلی جاؤ یہاں سے۔'' جواباً وہ غرا کر بولا۔

''مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے؟ بتائیں تو سہی۔''

''کل تمہیں گھر پہنچادوں گا۔ اب خاموشی سے سو جاؤ۔'' اس نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا۔ اطروبہ کو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آئی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر نیبل لیمپ آف کر دیا۔ اطروبہ اپنے اندر بے نام سی گھٹن اور بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ خاصی جدوجہد کے بعد اسے نیند آئی تھی۔

ابھی وہ پوری طرح نیند میں نہیں ڈوبی تھی' نیم غنودگی کی کیفیت تھی کہ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اس پر جھکا ہوا ہو۔ اس کے منہ سے نکلنے والی گہری اور گرم گرم سانسیں وہ اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی۔ دہکتا ہوا مضبوط ہاتھ اس کے چہرے پر آکر ٹھہرا تو اس کی تمام غنودگی ہرن ہوگئی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں' نگاہوں کے سامنے گوزیل کا چہرہ تھا۔

''اف۔'' اس نے بوکھلا کر اٹھنا چاہا۔ مگر اس نے اسے بازو کی گرفت میں لے لیا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے بیگانہ لگ رہا تھا۔ وجیہہ چہرے پر سفاکی' آنکھوں سے جھلکتی وحشت و درندگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا' وہ انسانیت سے رشتہ توڑ بیٹھا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہوگیا ہے آپ کو؟''

''مجھ سے کوئی سوال مت کرو..... اپنی نانی جان سے جا کر پوچھنا۔ میں تمہیں اپنی زندگی سے نکالنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔''

"نہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے چھوڑ دو۔" اس کے عزائم جان کر وہ وحشت زدہ ہوگئی۔

"اکثر بڑوں کی زیادتیوں کی سزا چھوٹوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ تم بھی اپنے بڑوں کی غلطیوں کا تاوان ادا کروگی۔ پھپھو کو دیکھا ہے تم نے' سوکھی لکڑی کی مانند۔ وہ پیدائشی ایسی نہیں تھیں۔ ان کے حسن کا ایک عالم میں چرچا تھا' جسے عیب بنایا تمہارے ماموں نے' تمہاری نانی کی منشا پر۔ لیکن میں جو کرنے جارہا ہوں' وہ صرف میرا انتقام ہے۔ خود سے کیا گیا عہد ہے۔"

اس پر نا قابل یقین انکشاف ہوا تھا۔ مگر یہ وقت حیرانی ظاہر کرنے یا اس پتھر دل انسان سے معافی' تلافی کا نہیں تھا۔ وہ انتقام کی آگ میں درندہ بن گیا تھا اور درندے کب کسی کی سنتے ہیں؟

وہ چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے پھسل پھسل جارہی تھی۔ اس نے خود کو بچانے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کرڈالی تھی۔ یہی لمحات اس کی زندگی کا حاصل تھے۔ اپنے بڑوں کی زیادتیوں کی تلافی وہ اس بھیانک انداز میں تو کرنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔ اسی کشمکش میں وہ بیڈ سے دور جاگری تھی۔ اور یہ لمحہ اسے غیبی امداد محسوس ہوا۔ قبل اس کے کہ وہ بیڈ سے اتر کر اس پر قابو پاتا' اس کے جسم میں گویا بجلیاں سی بھر گئیں۔ وہ متوحش انداز میں دروازہ کھول کر باہر بھاگ لی تھی۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی پھپھو کے کمرے میں پہنچی تھی۔

"بہو! کیا ہوا؟ یہ کیا حالت؟"

"پھپھو۔ پھپھو..... پھپھو! مجھے بچالیں۔ مجھے بچالیں ورنہ وہ..... وہ مجھے مار ڈالیں گے۔" وہ ان سے لپٹتی ہوئی' خوف سے تھر تھر کانپتی' دہشت زدہ لہجے میں گویا ہوئی۔ اسی پل گوزیل اندر داخل ہوا تھا۔ بالکل نارمل انداز میں۔

"گوزیل! یہ کیا حالت بنائی ہے بہو کی؟ کیا کہہ رہی ہے یہ؟" انہوں نے خود سے لپٹی' کانپتی ہوئی اطروبہ کی سمت اشارہ کر کے استعجابیہ لہجے میں پوچھا۔ وہ تہجد کی نماز سے فارغ ہوئی تھیں کہ اطروبہ آکر ان سے لپٹی تھی۔ وہ سخت پریشان تھیں۔ لائٹ پنک نائٹی میں بکھرے بال' زرد چہرہ' سلیپر سے بے نیاز پاؤں لئے وجس دہشت زدہ انداز میں آکر ان سے لپٹی تھی اس سے ظاہر تھا' کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے۔

"میں نے.....؟ یہ سوتے میں ڈر گئی ہے۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی تو یہ بھاگ کر یہاں آگئی ہے۔" اس وقت وہ بہت نرم خو' از حد مہذب بنا ہوا تھا۔

"اطروبہ! کیا سچ ہے؟ مجھے بتاؤ۔" وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔

"آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہے؟ یہ احمق ہے۔ میرے علاوہ آپ کی بھی نیند خراب کی ہے اس نے' اس لیے کہتا ہوں' دروازہ بند کر کے سویا کریں کمرے کا۔"

"میری کوئی نیند خراب نہیں ہوئی۔ میں تہجد کی نماز سے فارغ ہوئی ہوں ابھی۔"

"اطروبہ! چلو یار' پھپھو اب آرام کریں گی۔ مجھے بھی صبح آفس جانا ہے۔" بہت پیار سے کہتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا لیکن ہاتھ تھامنے میں جو سختی اور تنبیہہ تھی اس نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔ میں پھپھو کے پاس سوؤں گی۔" وہ دوبارہ ان سے شدت سے لپٹ کر بہتے آنسوؤں کے درمیان بول پڑی۔

"کیوں ڈسٹرب کرتی ہو پھپھو کو۔ تمہارا احمقانہ پن کب ختم ہوگا؟" اس بار وہ اپنے مخصوص سرد و کرخت لہجے میں ڈپٹ کر بولا۔

"میں ڈسٹرب نہیں ہوں گی۔ چھوڑ دو' آج کی رات اسے یہاں سونے دو۔" ان کی جہاندیدہ نگاہوں نے گوزیل کی نگاہوں اور اطروبہ کی خوف زدگی سے بہت کچھ اخذ کرلیا تھا۔

"پھپھو جان! آپ اس اسٹوپڈ کی حمایت لے رہی ہیں۔"

"تمہاری بیوی پر کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ یہ اپنی

مرضی سے میرے پاس کچھ وقت گزار لے۔'' انہوں نے جان کر ایسی بات کہی تھی۔ ان کی خاطر وہ خاموشی سے چلا گیا۔ وہ کمرے کا دروازہ بھی بند نہیں کرتی تھیں۔ اب اطروبہ کے بے حد اصرار پر انہیں دروازہ لاک کرنا پڑا۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھی کہ خاصی دیر کے بعد اس کی دہشت کم ہوئی۔ ان کے بے حد تسلی دلاسے دینے کے بعد اس نے وہ حقیقت سنا ڈالی تھی جس کے متعلق وہ سمجھتی تھیں کہ گوزیل لاعلم ہے۔ یہ انکشاف انہیں ہراساں کر گیا تھا۔

وہ رات اس نے ان کے پاس سوتے جاگتے گزاری۔ صبح ان کی آنکھ کھلی تو وہ بخار کی حدت سے نیم بے ہوش تھی۔ خوف و دہشت نے اسے بیمار کر ڈالا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی گوزیل! تم اس قدر ظالم و سفاک نکلو گے۔'' ناشتے کی ٹیبل پر وہ گوزیل سے افسردگی سے مخاطب ہوئیں۔

''پھپھو جان! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

''بومت۔ تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو' جو میں کہہ رہی ہوں۔ ظلم کا جواب ظلم بھی نہیں ہوتا پھر تمہیں اجازت کس نے دی کہ تم میری کہانی دہراؤ۔''

''آپا! کیا بات ہوئی ہے؟'' حرا بیگم جو اصل بات سے لاعلم تھیں' حیرانی سے استفسار کرنے لگیں اور انہوں نے اطروبہ کی زبانی معلوم ہونے والی ساری کہانی انہیں سنا ڈالی جسے سن کر وہ بھی پریشان ہوگئی تھیں' جب کہ وہ اطمینان سے ناشتا کرنے میں مگن رہا۔

''گوزیل! اتنی سفاکی؟ میں سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''ممی! ظالم کا ظلم برداشت کرنے والا بھی ظلم میں شامل ہوجاتا ہے۔ اور یہ میرا عہد ہے' پھپھو کی زندگی خراب کرنے والے کو میں کسی صورت معاف نہیں کروں گا۔''

''میں نے تم سے کب کہا کہ تم وحشت و درندگی میں کسی کا مقابلہ کرو۔ پھر اس بے گناہ لڑکی کا کیا قصور؟ جسے تم اپنی بیوی بنا کر لائے ہو۔''

''کسی کی سزا دوسرے بے گناہ کو دینا انصاف و انسانیت کے خلاف ہے۔ ایک دفعہ تمہاری نادانی اور ناسمجھی سمجھ کر اس بات کو معاف کر رہی ہوں مگر مجھ سے وعدہ کرو' تم آئندہ اطروبہ کو اس نیت سے دیکھو گے بھی نہیں۔''

''نہیں پھپھو جان! آپ مجھ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں لے سکتیں۔ یہ میرے عہد' میری انا' میری حمیت پر کاری ضرب ہے جسے میں قطعی برداشت نہیں کرسکتا۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا سنجیدگی و قطعیت سے بولا۔

''پھر میرا تمہارا تعلق بھی ختم ہے۔ میں اس کو لے کر اس گھر سے چلی جاؤں گی' ہمیشہ کے لیے۔ کم از کم میں صرف اتنا ہی تمہارے انتقامی عہد کی تسکین کے لیے کرسکتی ہوں۔ مگر ایک اور رابعہ کو زندہ درگور ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔'' ان کے لہجے کی قطعیت و ضد دیکھ کر وہ دہل اٹھی تھیں۔ اور اپنی بات کے اختتام پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ حرا بیگم بھی معاملے کی سنگینی پر ششدر رہ گئی تھیں۔

''پھپھو...... پھپھو جان! پلیز آپ روئیں مت۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں آپ کے لیے۔ جو زندگی آپ گزار رہی ہیں' ویسی ہی زندگی اس ظالم عورت کی لاڈلی' چہیتی گزارے گی تو اسے اپنی زیادتیوں کا احساس ہوگا۔ پھر کبھی کوئی اس طرح کے الزام تراش کر' بیویوں کو بدنامی کے غار میں نہیں دھکیل سکے گا۔''

''نہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ میرا بدلہ لینے کے لیے تم اس معصوم لڑکی کو انتقام کا نشانہ بناؤ گے۔ پھر کبھی اس کا بدلہ لینے کے لیے کوئی اور درندہ سامنے آجائے گا۔ انتقام اور بدلے کا یہ لامتناہی سلسلہ چل پڑے گا۔ اگر تمہیں مجھ سے سچی محبت ہے اور اگر تم مجھے یہاں دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں میری قسم ہے' اس مظلوم لڑکی کو تم ایک تھپڑ بھی نہیں لگاؤ گے۔''

''آپ...... آپ کیوں اس لڑکی کی حمایت لے رہی ہیں؟ میں اسے......''

''میں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا تھا۔ میرا منصف وہ ہے۔ میرا فیصلہ اس کی عدالت میں ہوگا۔ اس لیے تمہیں میرے معاملے میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ اور حرا! تم بھی اپنا رویہ چینج کرو۔ تم نے ایک دن بھی

اس سے ڈھنگ سے بات نہیں کی ہے۔ اب ختم کرو یہ سرد مہری جو میرے نصیب میں لکھا تھا' وہ مجھ پر گزر گیا۔" گوزیل کے بعد وہ حرا بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

"آپا! خدا گواہ ہے' اس کو میں بہت چاہ و خلوص سے اپنائے گئی تھی مگر آپ کے معاملے نے میرے دل سے اس کی قدر و محبت سرد کر ڈالی تھی ورنہ میرے دل میں اس کے لیے محبت ہی محبت ہے۔ اس کی خاموشی' خدمت گزاری و خلوص نے میرا دل موہ لیا ہے۔" "گوزیل! اٹھو' جا کر بہو کو دیکھو وہ صبح سے بھوکی ہے' خوف اور فکر سے بیمار پڑ گئی ہے۔" وہ اس سے حکمیہ لہجے میں بولیں۔

"سوری پھپھو جان' میں ابھی اتنی جلد خود پر قابو نہیں پا سکتا' آپ کی بات قبول کرنے میں کچھ وقت درکار ہوگا۔ اور پلیز اس وقت تک اسے میرے سامنے مت آنے دیجیے گا۔" وہ اٹھ کر دھپ دھپ کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

❖❖❖

رمضان المبارک کی آمد ہوئی اور نور کی چادر ہر سو تن گئی۔

اب اطروبہ کا سارا وقت پھپھو کے ساتھ گزرتا تھا۔ حقیقت جاننے کے بعد تو وہ ناکردہ جرم کے احساس میں خود ہی مبتلا ہوگئی تھی۔ دادی جان کے اس قدر سفاک اور سنگ دل ہونے کا اسے ملال اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ حرا بیگم نے بھی خاموشی و لاتعلقی کی دیوار گرا دی تھی۔ ان کی محبت و شفقت حد سے سوا تھی۔ وہ پیار و سچے خلوص کے موتیوں سے اپنے دامن اور آنچل کو بھر رہی تھی۔ دکھ تھا تو اس ستم گر ہرجائی شخص کے رویے کا تھا جس نے اپنے حوالے سے اسے سنہرے روپہلے خواب دکھا کر' اپنے نام اسے منسوب کر کے ایسا بدلا تھا کہ محبت و وفا پر اس کا یقین متزلزل کر کے اس کی دنیا بدل کر رکھ چکا تھا۔

رمضان کی آمد سے ایک ہفتے قبل ہی وہ بزنس ٹور پر ٹورنٹو چلا گیا تھا۔

جانے سے قبل وہ اس کے پاس آیا تھا لیکن وہ خوف و ہراس کے غلبے سے آزاد نہیں ہوئی تھی۔ اسے سامنے دیکھ کر خوف سے اس کی وہی حالت ہونے لگی۔ وہ اسے قریب آتے دیکھ کر چیختے ہوئے بے ہوش ہوگئی۔

رمضان المبارک کے دو عشرے گزر چکے تھے۔ وہ بڑی تن دہی سے عبادت و تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہتی۔ پہلی دفعہ اس بار اس نے پھپھو اور ممی کے ساتھ تراویح پڑھنے کا اہتمام کیا تھا۔ دل کے ایک گوشے میں سکون و طمانیت تھی۔

اس روز وہ افطار کے بعد نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول چائے بنا کر حرا بیگم کو دینے ان کے کمرے میں آئی تو وہاں پھیلی دل آویز مہک نے اس کے اندر کی دنیا میں ہلچل مچا ڈالی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر قدم رکھا تو وہ خوشبوؤں میں بسا ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ ٹرالی پر رکھے اس کے ہاتھ کانپ اٹھے۔ پلکیں جھک گئیں۔ بمشکل اس نے انہیں چائے سرو کی تھی اور اس دوران خمار آلود نگاہوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی۔ پھپھو اس کے ٹور کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

"اتنی کمزوری ہوگئی ہے۔" اس نے کپ اور ساسر اس کی طرف بڑھائی تو کانپتے ہاتھ جیسے جلترنگ بجانے لگے تھے۔ وہ شوخی و شگفتگی سے اطروبہ سے مخاطب تھا۔ جواب میں وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

"اطروبہ! گوزیل کے کپڑے نکال دو' وہ عشاء کی نماز ادا کرنے جائے گا۔"

"پھپھو جان! میں ان کے کپڑے پریس کر کے باتھ روم میں اسی وقت ہینگ کر کے آگئی تھی' جب وہ آپ کے ساتھ چائے پی رہے تھے۔" اس نے بیڈ شیٹ درست کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بہو! وہ تین ہفتے بعد پردیس سے آیا ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہوگی۔ جا کر اس سے ملو' بات چیت کرو' بھلا اس طرح تمہارا اس سے علیحدہ رہنا کب تک چل سکتا ہے۔"

"پھپھو جان! پلیز میں' میں ان کے پاس نہیں جاؤں

وہ روپ دیکھا ہے جسے شاید میں ساری زندگی نہیں بھلا سکتی۔ میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں مگر خدارا مجھے یہ مت کہیے گا۔'' وہ ان کے سینے سے لپٹ کر رو دی۔

''تمہارا خوف' تمہارا دکھ میں سمجھ رہی ہوں بیٹا' جب انسان ایک مرتبہ سانپ کے ڈسنے سے بچ جاتا ہے تو وہ پھر رسی سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ میرا یقین کرو' وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے' نادم ہے وہ۔ معاف کر دو اسے۔ جب کوئی اپنی غلطی صدق دل سے مان لیتا ہے تو معاف کر دینا بھی ایک عظمت ہے۔''

''لیکن..... پھپھو!''

''مجھ پر اعتماد کرو۔ گوزیل! آؤ لے کر جاؤ اپنی امانت۔'' وہ اس کے دروازے کی طرف دیکھ کر بولیں جہاں سے وائٹ کلف شدہ سوٹ میں سر پر جالی کی ٹوپی پہنے گوزیل کو آتے دیکھ کر اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔

''سوری' اطروبہ! سچ مچ میں بہک گیا تھا۔ بدلے کی آگ تو شاید جہنم کی آگ سے بھی زیادہ پرتپش اور جلا کر خاک کر دینے والی ہے۔ اسی آگ میں جل کر اور انسانیت کی سطح سے گر کر میں وہ حیوانی فعل کرنے چلا تھا جس کی معافی شاید مجھے مرنے کے بعد بھی نہ ملتی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سنجیدگی اور محبت سے بولا۔ ایک عرصے بعد اس کے لہجے میں وہ محبت و اپنائیت جاگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وفا کی چمک تھی۔ چاہت کی مہک ہر سو پھیل گئی تھی۔

پھپھو جان بہانے سے کمرے سے چلی گئی تھیں۔ وہ متواتر آنسو بہا رہی تھی۔

''معاف کر دو نا' پلیز اب! میں بہت خوار ہو کر آیا ہوں۔ تم سے دور ہو کر مجھے احساس ہوا' میں تم سے بچھڑ کر ایک دن بھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ اتنا عرصہ تم سے دور رہ کر میں نے خود کو اذیت ہی دی ہے۔ پلیز اب تم مجھے مزید کسی امتحان میں مت ڈالنا۔ بڑی چاہت سے تمہیں میں نے پایا ہے۔''

وہ اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہوا چاہت سے لبریز لہجے میں بولا۔

وہ خاموش نہیں ہوئی تھی۔ آنسو بن بلائے مہمانوں کی طرح وارد ہوئے جا رہے تھے۔

''ناراضگی ختم کرو یار' اچھا سنو۔ تمہارے لیے ونڈرفل سرپرائز ہے۔'' وہ اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں جھانکتا ہوا معنی خیز لہجے میں بولا تو بے اختیار سے انداز میں اطروبہ نے اس کی سمت دیکھا۔ لیکن اس وقت اس کی نگاہوں میں محبت کی کچھ ایسی تپش اور فراق کی کچھ ایسی روشنی لشکارے مار رہی تھی کہ اس نے فوراً ہی نگاہیں جھکا لیں۔ دل مدھر دھن پر دھڑکنے لگا تھا۔

''پھپھو جان کے کمرے کا قبضہ ختم کرو' چلو آؤ' کچھ بولو گی نہیں؟ ابھی تک ناراض ہو؟'' گوزیل نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے سنجیدگی و ملائمت سے پوچھا۔

''نہیں۔ جو کچھ آپ سے سرزد ہوا' وہ آپ کے جنون کا تقاضا بھی تھا اور محبت کی قوت بھی۔ آپ نے درست کہا تھا کبھی کبھی بڑوں کی غلطی چھوٹوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ لیکن شاید ان سے کہیں کوئی جانے انجانے میں نیکی کی کوئی کرن بھی روشن ہوئی تھی جس کی طاقت نے مجھے بچا لیا۔'' وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''شکر ہے۔ تم نے خاموشی تو توڑی۔''

''میرے دل پر' میرے ضمیر پر ایک بوجھ ہے۔ جب تک وہ بوجھ ختم نہیں ہوگا' میں سچی مسرتیں کبھی حاصل نہیں کر پاؤں گی۔''

''کیسا بوجھ؟''

''دادی جان' کیا اس قدر سفاک و سنگ دل ہو سکتی ہیں؟ یہ سوال میرے اندر اکثر گونجتا رہتا تھا مگر اب اس کا جواب مجھے مل گیا ہے۔ میرا دل جو ہر لمحہ ان سے ملنے' ان کو دیکھنے کو تڑپتا رہتا تھا' اس عرصے میں مجھے ان کی یاد ایک مرتبہ بھی نہیں آئی۔ مجھے ان سے تعلق پر ہی ندامت محسوس ہونے لگی۔ بھلا پیار کرنے والے بھی ایسا رویہ اپنا سکتے ہیں۔'' اس کے آزردہ لہجے میں تاسف اور دکھ کی گہری چھاپ تھی۔

"اس جہاں میں جو دکھ بانٹتا ہے وہ پاتا بھی ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہوتی ہے جب ہم خود کو ذرا بھی طاقت ور محسوس کرتے ہی کسی کمزور پر مظالم ڈھانے میں خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔"

"گوزیل! جماعت کھڑی ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ جلدی کرو' تمہاری بیوی یہیں ہے۔ رات کو جی بھر کر باتیں کر لینا۔" پھپو نے اندر آتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"پھپو جان! آپ نے میری بیوی پر بہت دنوں تک قبضہ جما لیا۔ مہربانی کر کے اب اسے واپس کر دیں۔" اس نے شرارت سے اطروبہ کے گلرنگ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے نماز سے فارغ ہو کر آؤ پھر تم سے پوچھوں گی۔" جواباً وہ ہنس کر بولی تھیں۔

وہ عشاء کی نماز ادا کرنے مسجد چلا گیا تھا۔ وہ معمول کے مطابق کچن صاف کر کے نماز پڑھنے لگی۔ نماز تراویح سے فارغ ہونے کے بعد لابی سے باہر آئی تو اسے گھر میں چہل پہل سی محسوس ہوئی۔ لونگ روم سے جانی پہچانی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں تو وہ بے قراری سی ہو کر اس طرف بڑھی تھی۔ دروازے کے باہر ہی اس کے قدم اندر کا منظر دیکھ کر گویا ساکت ہو گئے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

اندر سب جمع تھے۔ سامنے صوفے پر دادی جان' پھپو کو سینے سے لگائے' روتے ہوئے معافیاں مانگ رہی تھیں۔ صابرہ خالہ' حسن' ممی سب اندر موجود تھے۔

"میں ایک عام گھٹیا عورت بن گئی تھی بیٹی! وہ کمزور اور تنگ دل عورت جو بہو تو بڑے ارمانوں سے گھر لے کر آتی ہے لیکن پھر خود ہی اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ فیضان میرا بڑا بیٹا تھا۔ ماں پہلی اولاد سے دلی طور پر قریب ہوتی ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کی شراکت قطعی برداشت نہیں کرتی۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ فیضان جو آفس سے آنے کے بعد زیادہ وقت میرے ساتھ ہی گزارتا تھا' میں کمرے میں انتظار کرتی رہتی اور وہ تمہارے پاس چلا آتا۔ روز بروز تمہاری طرف بڑھتی اس کی توجہ مجھے تم سے خود بخود بدظن و متنفر کرتی گئی۔ اور میرے اندر بغض و عناد کی جڑیں رفتہ رفتہ چند دنوں میں ہی تناور درخت بن گئیں۔ اور پھر میں نے روایتی ساس کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ فیضان فطرتاً وہمی و شکی طبیعت کا مالک تھا۔ میں نے اس کی طبیعت سے فائدہ اٹھایا۔ آخر کار وہ تمہاری طرف سے میری طرف لوٹ آیا اور مجھے کیا چاہیے تھا۔ میں خوش ہو گئی کہ بیٹا بہو کے حسن کے جال سے نکل آیا ہے۔ لیکن پھر نا معلوم کس طرح وہ دوبارہ تمہاری طرف راغب ہو گیا اور اس نے گھر چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہی بات مجھے ظالم بنا گئی۔ بہو مجھ سے بیٹے کو چھین کر لے جائے' یہ کس طرح ممکن تھا۔ میں نے پھر فیضان کے کان بھرنا شروع کیے اور اس مرتبہ وقت میرے ساتھ تھا۔ میں جو اسے بتاتی گئی وہ اسے سچ محسوس ہونے لگا۔ اور ایک دن ایسا آیا کہ وہ زخمی انا والا بے رحم مرد بن گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ ایسی بے وفا اور بدفطرت عورت کو فوراً طلاق دے دو اور اس نے یہی کیا۔"

دادی جان نے دوپٹے کے پلو میں چہرہ چھپا کر پھر رونا شروع کر دیا۔

"اس نے وہ کر ڈالا جس کی میں نے اسے ترغیب دی تھی۔ آہ! میں اس وقت کتنی ظالم بن گئی تھی۔ پھر مجھے بھی کہاں سکون ملا؟ اس لئے کہ انصاف کرنے والا تو اوپر بیٹھا ہے۔ اس کی لاٹھی جب اٹھتی ہے تو بے آواز ہوتی ہے۔ فراز نے نا معلوم کب فیضان کو بتایا کہ تم بہت پردہ دار اور باحیات عورت ہو۔ اس دن میرے کہنے پر ہی وہ ڈاکٹر کو لینے کار میں اس کے ساتھ گئی تھی۔ پھر میرے اعمال کا صلہ مجھے ملنا شروع ہو گیا۔ فیضان کے اعتماد کے شیشے پر میری طرف سے ایسی ضرب لگی کہ وہ ایکسیڈنٹ کے بعد ہاسپٹل میں ملا تو اس نے کہا کہ وہ مجھے اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک تم اسے معاف نہیں کر دیتیں۔ آخری وقت تک اس کے لبوں پر تمہارا نام تھا' بہو۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ چھوٹے کی شادی کی' اس کی بیوی نے مجھے بتایا بہو

کیسی ہوتی ہے۔ تمہاری قدر مجھے جب محسوس ہوئی' ثمرہ کی شادی ہوئی تو اس کا میاں اس قدر شکی و وہمی نکلا کہ..... خواہ مخواہ شک کی تیز آگ میں میری بیٹی کو اس نے جلا کر مار ڈالا اور شقی القلب اس قدر کہ اپنی بیٹی کو بھی اپنا خون ماننے سے انکار کر دیا۔ اپنے گناہوں کی سزا میں نے تنہا نہیں بھگتی۔ میرے بے گناہ بچے بھی اس کی لپیٹ میں آ کر اپنی زندگی گنوا بیٹھے ہیں۔''

''اماں! میں نے معاف کر دیا آپ کو اور فیضان کو بھی..... میری قسمت میں ہی ایسے اندھیرے لکھے تھے۔'' پھپھو جان نے بھرائے لہجے میں کہا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی بہو! میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔ لیکن تم ایسی غائب ہوئیں کہ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ اب تقدیر کو مجھ پر رحم آیا کہ گوزیل بیٹے نے مجھے سب کچھ بتایا۔ میں نے اس سے بھی معافی مانگی ورنہ میرے گناہوں میں اور اضافہ ہوتا۔''

''دادی جان!'' اس سے مزید دوری برداشت نہیں ہوئی۔ وہ بھاگتی ہوئی ان سے آ کر لپٹ گئی۔ انہوں نے بھی اسے شدت سے لپٹا لیا۔

تمام شکوے' شکایات دور ہوئیں تو ماحول میں محبت اور پیار کے رنگ روشن ہو گئے۔

''خدا کسی کو بھی ایسی چالاک سسٹر نہ دے۔ اپنی شادی کے بعد تو ایسی غائب ہوئیں کہ بھائی تک کی پرواہ نہیں کی۔ میں نے کتنی مشکلوں سے ممانی جان کو منایا ورنہ وہ تو ردا کی شادی مجھ سے کرنے کو ہرگز تیار نہ تھیں۔'' حسن شکایتی لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

''سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ مسرت آمیز لہجے میں بولی۔

''ہاں۔ چھوٹی بہو بھی ٹھیک کہتی ہے۔ میرے رویے نے اسے بھی گستاخ بنا ڈالا تھا۔''

''اماں! بڑے اپنے رویے درست رکھیں تو چھوٹے بھی جرات نہیں کرتے گستاخی کی۔''

''ہاں' سب بڑوں کو اپنا دماغ اور ذہن وسیع رکھنا چاہیے۔'' وہ اسے لپٹاتے ہوئے بولیں۔

❖❖❖

رہتی ہے ساتھ ساتھ کوئی خوشگوار یاد
تجھ سے بچھڑ کے تیری رفاقت نہیں گئی

''آج ہم بہت ساری باتیں کریں گے۔'' وہ کمرے میں آنے کے بعد اسے خود سے قریب کرتے ہوئے خمار آلود لہجے میں بولا۔

''نہیں۔ آج جاگنے کی رات ہے۔ ہم خوب عبادت کریں گے۔''

''شوہر کی خدمت بھی ثواب کا کام ہے۔''

''ہم تینوں مل کر عبادت کریں گے۔ پرسوں کی رات خالہ صابرہ کی طرف جائیں گے۔ وہاں اماں جان کے ساتھ مل کر عبادت کریں گے۔'' اس کی قربت' اس کی نگاہوں سے سٹپٹا کر وہ بے تکا بول رہی تھی۔

''اس وقت صرف اپنی باتیں کرو یار! میری بے چینیوں اور بے تابیوں کے قصے نہیں سنو گی؟'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''ابھی نہیں۔ عید کے بعد..... عید میں دن ہی کتنے ہیں؟''

''اب انتظار اور نہیں۔'' اس نے اس کا ہاتھ کھینچا تھا۔

''ہم عید کہاں منائیں گے؟ یہاں یا کراچی میں؟''

''جہاں تم کہو۔'' اس نے مخمور لہجے میں کہا۔

اطروبہ نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

محبت کے سارے رنگ کچھ دن بعد آنے والی عید کی خوشیوں میں جگمگا رہے تھے۔ سچا ساتھی' مخلص اور چاہنے والے جیون ساتھی کی رفاقت نے اس کے رخساروں پر چاہت کے کبھی نہ مرجھانے والے گلاب کھلا دیئے تھے۔